بیادگار:
حضرت ابوالبرکات سید حسن قادری رحمۃ اللہ علیہ

الحسن

پندرہ روزہ پشاور

سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

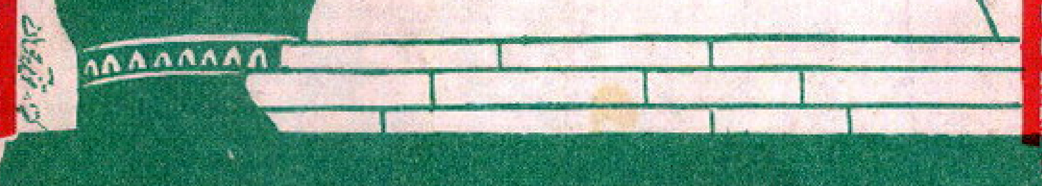

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایں بارگہ حضرت غوث الثقلین است
نقد کرم حیدر و نسلِ حسنین است

مادرش حسینی نسب است و پدر او
زِ اولادِ حسن یعنی کریم الابوین است

بیادگار
حضرت ابوالبرکات
سید حسن قادری
رحمۃ اللہ علیہ

پندرہ روزہ
الحسن
پشاور

قیمت: ۲ روپے

مدیر: سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی
منتظم: مفتی مشتاق احمد

جلد ۱ شمارہ ۱۶/۱۷ | مورخہ یکم/۱۵ر نومبر ۱۹۷۲ء | چندہ سالانہ ۔۔۔ ۲۰ روپے

فہرست

۱۔ ہستم تو دل گدائے تو بابا سید حسنؒ (نظم)	حضرت جانسوز صاحب	۲
۲۔ شذرات	ادارہ	۳
۳۔ تفسیر القرآن الحسنیہ	الحاج حافظ عبد الحمید صاحب فاضل دینیات	۵
۴۔ سید حسن ہمارا (نظم)	شبیر احمد شاہ اسعد مرحوم	۹
۵۔ اسنی المطالب فی نجات ابی طالب	علامہ زینی دحلان (ترجمہ از ادارہ)	۱۰
۶۔ شرح قصیدہ بردہ شریف	الحاج حافظ عبد الحمید صاحب فاضل دینیات	۱۵
۷۔ اسرار حج	مولانا مولوی قاضی انوار الحق صاحب سابق مفتی جوناگڑھ	۱۹
۸۔ ابوالبرکات سید حسن قادری رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی جدوجہد	مدیر	۲۷
۹۔ منقبت اعلیحضرت مجدد ملت	پروفیسر ریاض احمد صاحب کاونٹس ایم۔اے (سندھ)	۳۷

سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی نے طابع نیو ایگل شار پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر پندرہ روزہ "الحسن" یکہ توت پشاور سے شائع کیا

ہستم ز دل گدائے تو یا سید حسنؒ

از جناب حضرت جانسوز صاحب

ہستم ز دل گدائے تو یا سید حسنؒ — صد جان و دل فدائے تو یا سید حسنؒ

سرو باغ حسن مثنیٰ باشرف — زاں دارم التجائے تو یا سید حسنؒ

فرزند غوث الاعظم و سلطان اولیاؒ — ہر لحظہ صد ثنائے تو یا سید حسنؒ

ہر کس بقصد روضہ بمقصود میرسد — بیگانہ آشنائے تو یا سید حسنؒ

درد و فراق و دوری و ہجران تا بکے — یک وصل دہ زطائے تو یا سید حسنؒ

در حلقہ ہائے ذکر مریداں چہ فرحت است — دارند بہ دل ہوائے تو یا سید حسنؒ

جانسوز را ز درگہ معالی خود مراں
باشد سگ سرائے تو یا سید حسنؒ

شذرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ کو وفات پائے دوسو اناسی (۲۷۹) سال کا طویل عرصہ گذر چکا ہے مگر آج بھی ان کا مزار پُرانوار مرجع خلائق ہے۔ گو کہ آپ جسمانی طور پر اس جہانِ فانی میں موجود نہیں۔ لیکن پھر بھی شب و روز بے شمار زائرین آپ کی تربت پر قرآن کریم پڑھتے، ذکرِ الٰہی کرتے، دعائیں مانگتے، اور عقیدت کے پھول چڑھاتے ہیں۔۔۔۔ کیوں؟
اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے "فاذکرونی اذکرکم"۔ "اور تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا"۔ اور اللہ کا یاد کرنا یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کے ذریعہ اپنے یاد کرنے والے کے لئے بلندیٔ درجات کی دعاؤں کا ایک لامتناہی سلسلہ قائم فرما دیتا ہے۔ لوگ کشاں کشاں آتے ہیں۔ فاتحہ، درود اور سلام پڑھ کر یاد کرنے والے کی روح کو بخشتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ رہتی دُنیا تک جاری رہتا ہے۔

کارخانہ عالم میں بڑے بڑے بادشاہ اور مقتدر حاکم آئے اور چلے گئے۔ زمانہ کی دستبرد نے ان میں سے بہتوں کے نشان تک کو مٹا دیا ہے۔ مگر اللہ کو یاد کرنے والے فقیر جنہوں نے اس کی رضا کے لئے دنیاوی عیش و آرام پر اشاعت دینِ متین اور خدمت خلق کو ترجیح دی۔ اس دار فانی سے گذر جانے پر بھی خدا کی مخلوق کی آنکھ کا تارا ہیں اور رہیں گے۔

حضرت سید حسن قادری رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگوں میں سے ایک تھے۔ جنہوں نے اپنی تمام زندگیاں تبلیغ و اشاعت اسلام، احیائے سنت، اعلائے کلمۃ الحق، درس و تدریس دینی، اور تزکیۂ نفوس کے لئے وقف کر دیں۔ اپنے والد ماجد حضرت سید عبداللہ شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ الملقب بہ صحابیٔ رسول سے علوم ظاہری اور باطنی کی تکمیل اور خرقۂ خلافت کے حصول کے بعد آپ نے اپنے چھوٹے بھائی سید شاہ محمد فضل رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں پاک و ہند کا ایک طویل دورہ کیا۔ اور قریہ قریہ دیہہ دیہہ اپنی قوت ایمانی سے لاتعداد ترستی ہوئی روحوں کو "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے آب حیات سے زندگی بخشی۔ اور مسلک محمدیہ پر جو دینی اور دنیوی کامرانی کی ضمانت ہے چلنے کی ہدایت فرمائی۔

دو جلیل القدر بھائیوں کا یہ مختصر قافلہ چلتے چلتے ۱۰۸۳ھ میں پشاور پہنچا۔ اور اس سرزمین کے مخصوص حالات کے پیش نظر مستقل قیام کی ٹھہری۔ مگر پھر بھی تبلیغی دوروں کا پروگرام جاری رہا۔ افغانستان کے متعدد مقامات کے دورے ہوئے۔ خصوصاً تین بار کابل تشریف لے گئے۔ اور اشاعت دین اور احیائے سنت کے سلسلہ میں بے مثال کامیابی ہوئی۔
۱۰۹۰ھ کے لگ بھگ اسی کار خیر کے لئے کشمیر کا سفر اختیار کیا۔ اور اختتام سفر پر حضرت شاہ محمد فاضل رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کام جاری رکھنے کے لئے اسی وادی میں مستقل سکونت اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی۔
موخر الذکر نے اس فرض کو عمر بھر نبھایا، اور وہیں طبعی گذار کر خانیار (سرینگر) میں مدفون ہوئے۔ ریاست

کشمیر میں شاید ہی کوئی ایسا آدمی ہو جو ان کے کام اور نام سے واقف نہ ہو۔

حضرت سید حسن قادری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی اور تعلیمات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ عوام الناس کی اصلاح اس پیرایہ سے فرماتے کہ وہ مفید اور پرلطف شہری بھی بنیں۔ اور برگزیدہ انسان بھی۔ دنیوی کاموں سے کماحقہٗ عہدہ برآ ہوں، اور قرآن و سنت کا دامن بھی استواری سے تھامے رہیں۔ صدق مقال، "اکل حلال" اور "ذکر مدام" آپ کے پند و نصائح کے خاص عنوانات تھے۔

آپ حق اللہ اور حق العباد کے تحفظ۔ حرام، حلال کی تمیز، اور بلاتمیز رنگ و نسل اللہ کی مخلوق کی خدمت کا درس دیتے اور برائی سے بچنے کی تلقین فرماتے۔ خدا کے فضل و کرم سے جو بھی ان کی مجلس میں حاضر ہوتا، اس کی دنیا دونو سنور جاتیں۔ غرضیکہ جسم اور روح دونوں کی متوازن اصلاح آپ کی تعلیمات کا طرۂ امتیاز تھا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ دورِ حاضرہ میں جبکہ جوہری توانائی کی دریافت اور دیگر فنی اور سائنسی تفتیشات نے مادی ترقی کے امکانات کو دو روشن کر دیا ہے۔ اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ روحانی ترقی اور پاکیزگیٔ نفس کی جد و جہد کو بھی تیز تر کر دیا جائے۔ ہم مادی ترقی کے مخالف نہیں۔ بلکہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ خدا کی عطا کردہ صلاحیتوں کو بڑھ چڑھ کر بروئے کار لایا جائے تاکہ بہترین نتائج برآمد ہو سکیں مگر اس کے ساتھ ساتھ ہم کسی صورت میں بھی اس امر کی تائید نہیں کر سکتے کہ جسم تو پھلے پھولے مگر روح انسانی جو اللہ کی دی ہوئی ایک لافانی طاقت اور خوبیوں کا لطیف سرچشمہ ہے۔ کند اور نادو نزار ہو کر رہ جائے۔ اسے جلا دینے کی سعی کرنا اہل فکر و نسل کا کام ہے۔ اور ہم انہیں ان کے اس فرض کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ حضور سید حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کام کے لئے جو اصول وضع کئے تھے۔ ان کا مختصر ذکر اوپر آ چکا ہے۔ اگر ان اصولوں کو اپنا لیا جائے تو روح کا تزکیہ کچھ دشوار نہیں۔

اللہ تعالٰے سے ڈرئیے —— اللہ تعالٰی کو حاضر و ناظر جانیئے —— اللہ تعالٰی کا ہمیشہ ذکر کرتے رہیئے ——
حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیجئے —— سچ بولیئے —— حلال کی کمائی کھایئے ——
عزم راسخ —— اور توکل —— ہر وقت پیش نظر رکھیئے ——

عزم و توکل :	مومن از عزم و توکل قاہر است	گر نہ دارد ایں دو جوہر کافر است	(اقبالؒ)
قرآن و سنت :	اندکے گم شو بقرآن و خبر	باز اے ناداں بخویش اندر نگر	"
ذکر مدام :	مرد میداں زندہ از اللہ ھو ست	زیر پائے او جہاں چار سو ست	"
نان حلال :	علم و حکمت زاید از نانِ حلال	عشق و رقت آید از نانِ حلال	(مولائے رومؒ)
سچ :	مزہ الم بھی ہے کچھ لطف خستگی میں ہے	غرضیکہ نشو و نما روح کی اسی میں ہے	(اصغر گونڈوی)

(مدیر)

تفسیر القرآن الحسنیہ

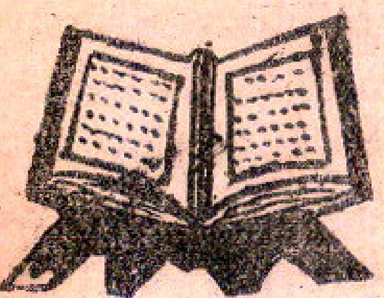

دوسری وحی غیر متلو ہے جو بلا توسط جبرائیل یا بلا الفاظ مقرر ہوتی تھی۔ ہمارا ان دونوں پر ایمان ہے اور یہی مذہب جمہور اہل اسلام کا ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ایک انکشاف روحانی بھی ہے، یہ وہ امور ہیں کہ جو حضور کو اپنے علم انکشافی کے مطابق معلوم ہوتے تھے۔ ان سب پر ایمان لانا واجب ہے۔

یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا چاہئیے کہ حدیث پر ایمان لانا بھی گویا وحی پر ایمان لانا ہے کیونکہ سورہ نجم میں فرمایا جاتا ہے

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ ٥

ترجمہ: ہمارا محبوب اپنے پاس سے کچھ نہیں کہتا بلکہ وہ وحی ہے۔

ان سے عجیب ترین ایک اور مسئلہ ہے کہ انبیاء کا خواب بھی وحی ہے۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کا خواب میں اپنے بیٹے کو ذبح کرتے دیکھنا وحی سے تعبیر کیا جاتا ہے، سبحان اللہ نبی کی کیا ہی شان ہے

ما انزل الیک

سے جب قرآن پاک مراد ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت تو تمام قرآن شریف ابھی نازل نہ ہوا تھا تو ایسا جملہ کیوں لایا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بطور تغلیب محقق علی المقدر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا نازل ہو کر رہنا قطعی اور یقینی تھا۔ اس لئے مقدر سمجھا گیا۔ اور مقدر سے مطلب محذوف ہے۔ پس تحقیق شدہ امر کو، قطعی امر کی بجائے محذوف رکھا یا یوں سمجھئیے کہ ایسا فرما دینا اس کے شرف پر دلالت کرتا ہے اور اس کا تحقق اس کے حقیقت میں واقع ہو جانے کے قائم مقام ہے۔ اور تیسرا اثر یہ ہے کہ کلام باری بحیثیت حکم ایک چیز ہے۔ اور اس کے بعض حصے پر ایمان لانے والا گویا تمام پر ایمان لانے والا ہے۔

وفی الکواشی لان القرآن شیئٌ واحدٌ فی الحکم ولان المومن ببعضہ مومن بکلہ ٥

اور اس بیان کی تصدیق پر باری تعالیٰ کا قول ہے۔

انا سمعنا کتاباً انزل من بعد موسیٰ۔

یہاں جنوں کی طرف اشارہ ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ہم نے قرآن پاک کو سنا جو کہ حضرت موسیٰ کے بعد اتارا گیا۔ حالانکہ اس وقت تمام قرآن نازل نہیں ہوا تھا۔ اور نہ ہی انہوں نے کتاب (قرآن) کو بتمام سنا تھا۔ بس دعویٰ بادلیل تھا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز اپنی تفسیر عزیزیہ میں یوں فرماتے ہیں کہ وحی متلو تو قرآن کریم ہے اور وحی غیر متلو سنت ہے۔ یعنی جس سے امور غیبیہ کی تفصیل اور تحقیق پر اطلاع میں زیادتی ہوتی ہے۔

وما انزل من قبلک سے مراد وہ صحیفے ہیں جو حضور سراپا نور سے پہلے اتارے جا چکے تھے مثلاً حضرت ابراہیم موسیٰ، داؤد اور عیسیٰ علیہم السلام کی کتابیں جو ان کو خدا کی طرف سے ملی تھیں ان کو برحق ماننا اور جس صحیح صورت وہ نازل ہوئی تھیں اس صحیح صورت سے ان کے من جانب اللہ ہونے ہونے پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ ان میں سے خاص کر قابل ذکر زبور، تورات اور انجیل ہیں۔

قرآن شریف کی آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ان اہل کتاب کی شان میں وارد ہوا ہے جو کہ حضور پر نور پر ایمان لے آئے مثلاً

(۱) وان من اہل الکتاب لمن یومن باللہ وما انزل الیکم وما انزل الیہم ط

اور تحقیق کہ اہل کتاب میں سے بعض ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ قرآن حکیم اور اپنی کتب سماویہ پر ایمان لے آتے ہیں۔

(۲) والذین اٰتینٰھم الکتاب من قبلہ ھم بہ یومنون ط

ترجمہ: اہل کتاب بھی اس قرآن پاک پر ایمان لاتے ہیں جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی۔ بلکہ اس صفحہ میں آگے ارشاد ہوتا ہے کہ ان کے لئے دوگنا اجر ہے ایک اپنی کتاب پر ایمان لانا اور ایک ہمارے محبوب رحمۃ اللعالمین کی ذات پر۔ ابن کثیر کا بھی یہی قول ہے۔

اب بعض عیسائیوں کا اعتراض ہے کہ جب ہماری کتاب برحق ہے تو اس پر کیوں عمل نہیں کیا جاتا۔ خاص کر جب کہ خود شان نزول بتا رہا ہے کہ یہ آخری جملہ وما انزل من قبلک عبداللہ بن سلام علماء بنی اسرائیل کی مدح میں وارد ہے۔

اور یہ کتابیں جن پر وہ ایمان لا چکے تھے اس زمانہ تک موجود تھیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ انجیل پر ایمان نہیں لایا جاتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر ہمارا بھی ایمان ہے کہ وہ کتابیں اور وہ انجیل جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر اور حضرت عیسیٰ پر اتاریں، وہ برحق تھیں۔ لیکن یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وہ اپنی اصلی صورت میں موجود تھیں غلط ہے۔ طوالت کے خوف سے صرف ہم انجیل کی تحریف کا ذکر کرتے ہیں۔ اور باقی سماوی کتب کا بھی یہی حال خیال کیا جائے۔

موجودہ انجیل کے متعلق خود عیسائیوں کا خیال ہے کہ یہ انجیل وہ انجیل نہیں جو حضرت یسوع مسیح پر نازل ہوئی بلکہ یہ ان کے حالات ہیں جو ان کی ولادت سے لے کر آسمان پر اٹھائے جانے کے وقت تک لوگوں نے بعد میں لکھ کر جمع کر دیئے۔

یوحنا کی انجیل کے آخر میں یہ بات مذکور ہے کہ ان میں سے بعض اشخاص کا نام و نشان بھی نہیں۔ اب عیسائی ان چار انجیلوں کو مانتے ہیں۔ جن کو اناجیل اربعہ کہتے ہیں۔

(۱) متی (۲) لوقا (۳) مرقس (۴) یوحنا جن میں متی اور لوقا خود پولس کے شاگرد ہیں۔ اب یہ پولس جو ان دونوں کا استاد ہے۔ اور جس کو عیسائی بڑا رسول اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی بڑھ کر سمجھتے ہیں۔ اپنے اس خط کے پہلے باب میں لکھتا ہے جو اس نے گلتیوں کو لکھا ہے۔

”لوگوں نے انجیل کو الٹ پلٹ کر دیا۔

اے لوگو! تم اور جعلی انجیلوں کی طرف کیوں مائل ہو گئے اہل انجیل بلا توسط کسی انسان کے حضرت مسیح علیہ السلام سے مجھے ملی ہے

اس کے سوائے اگر تم کو کوئی اور انجیل سنائے

تو اس پر لعنت ہو۔ الخ"

اور یہ امر عیسائی حضرات کے لئے مسلم ہے کہ یہ چاروں اناجیل پولوس کی وہ انجیل نہیں ہیں۔

"پس یہ چاروں مردود اور نامقبول۔"

جو شخص پولوس کے کلام کو الہامی مانتا ہو اس پر یہ امر لازم ہے کہ وہ ان چاروں میں سے کسی ایک کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔

اب ثابت ہوا کہ پولوس، برنباس، شمعون، لیطرس اکابر عیسائی ان کو تسلیم نہ کرتے تھے۔ اور نہ حواریوں کے زمانے میں ان کا رواج ہوا ہے

والفضل ما شهدت به الاعداء۔ مثل لا کو یہ چاری کتابیں تھیں باقی کتب توریت اور زبور کا بھی یہی حال ہے۔

کیونکہ ان کے جو حصے ملے ہیں ان کے مطالعہ سے یہ پایا جاتا ہے کہ ان حصوں میں بھی کثرت اختلاف ہے۔ اگر کلام باری ہوتا تو اختلاف طبعی سے پاک ہوتا۔ ایک محقق اور عمدہ مصنف بھی اسبات کا خیال رکھتا ہے کہ اس کی تصنیف میں طبعی اختلاف نہ ہو، یعنی یہ نہ ہو کہ ایک جگہ کچھ لکھدے اور دوسری جگہ اسکے برعکس، اس لئے اگر یہ کتابیں اپنی اصلی حالت پر رہتیں تو حضور پھر آپ خود حضرت عمر کو تورات کے اوراق پڑھنے سے منع کر کے یہ نہ فرماتے۔

لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوهم

اب اگر ان کتابوں میں (اناجیل اربعہ) کفارہ، تثلیث، الوہیت مسیح کے مسائل مندرج ہوں تو ہمارا اہل اسلام کا ان پر ایمان لانا، تو درکنار ان سے اجتناب واجب ہے۔

اگر قرآن پاک نے ان کو رد کر دیا تو حق وانصاف ہے۔ اور ادب کیا تقاضا بھی تو قرآن کریم کے حق ہونے کی قوی دلیل ہے۔

دوئم آنکہ۔ یہ مسئلہ مشہور ہے کہ قرآن کریم تمام ادیان سابقہ اور تمام کتب سماویہ کا بروئے عمل ناسخ ہے۔ یہ فضیلت رحمۃ للعالمین کی شان پر قوی حجت ہے۔ کیونکہ قرآن کریم ان پر اترا ہے۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست

کتب خانۂ چند ملت بشست

واضح ہو کہ یتیم کا لغوی معنی ایک اور بھی ہے (لاثانی موتی)

وبالآخرة هم يوقنون ۔ اور وہ قیامت کے دن پر بھی ایمان لاتے ہیں۔

ربط۔ اس عالم کی ابتدا اور انتہا بتلادی جبکہ پہلے ذات اور صفات باری یومنون بالغیب سے بتلا دیئے۔

ترکیب نکات: صلہ کو مقدم کیا اور ہم پر یوقنون کو مبنی کر دیا۔

اس میں اہل کتاب کو ایک گونہ تنبیہ ہے کہ دیکھو آخرت پر یقین کرنا انہی کا حصہ ہے۔ جنہوں نے قرآن کے ذریعے تمام تفاصیل آخرت پر اطلاع پائی۔

اب ان کو ہر ایک امر میں آخرت دکھائی دیتی ہے۔ دنیاوی جاہ و حشمت کو آخرت کے مقابلہ میں کچھ نہیں سمجھتے، اور تعصب اور عناد کو بھی آخرت کے خوف کی وجہ سے کام میں نہیں لاتے۔

اے اہل کتاب (سوائے عبداللہ بن سلام وغیرہ کے) ہماری موجودہ کتب میں آخرت کو بالتفصیل واضح نہیں کیا گیا۔ اس پر حب جاہ و مال اور تعصب کی بناء پر اس کتاب اور اس عالی شان نبی کو جھٹلاتے ہو۔ جو تمہارے کتب اور تمہارے انبیاء کی تصدیق کرتے ہیں اور تمہارے کتب اصلیہ کی تصدیق اور مدح کرتے ہیں جب یہ حال ہے تو تمہارا آخرت پر خاک یقین ہے اگر آخرت آنکھوں کے سامنے ہوتی تو ایسی باتیں نہ کرتے۔ (باقی آئندہ)

جوہری غذائیت سے بھرپور

میدہ اور سوجی

ہم عوام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں

یونیورسل فلور ملز لمیٹڈ

گل بہار کالونی - جی - ٹی روڈ پشاور

چیئرمین
صلاح الدین خان

فون نمبر
۴۰۴۰
۳۲۱۵

سیّد حسنؓ ہمارا

از شبیر احمد شاہ اسدؔ مرحوم،

دونوں جہاں میں پیارا، سیدؔ حسنؓ ہمارا — اسلام کا دلارا، سید حسن ہمارا
اُمّی نبی کا پیارا، سیدؔ حسنؓ ہمارا — چشمِ علی کا تارا، سید حسنؓ ہمارا
نُورِ خدائے اکبر، پاکیزہ اور اطہر — ہر بے نوا کا چارا، سید حسنؓ ہمارا
رفعت کے آسماں پر، عظمت کی کہکشاں پر — چمکا نرا ستارا، سید حسنؓ ہمارا
ہمت کے گلستاں میں، غربت کے آشیاں میں — تھا سب سے آشکارا، سید حسنؓ ہمارا
فقر و غنا کا مالک، جود و سخا کا مالک — سید حسنؓ ہمارا، سید حسنؓ ہمارا
گُم کردہ رہ کا ہادی، اسلام کا یہ غازی — گِرتوں کا ہے سہارا، سید حسنؓ ہمارا
رہ سے بھٹک گیا ہوں، ہستی کو کھو چکا ہوں — اب تُو ہے میرا چارا، سید حسنؓ ہمارا
جُو کے رواں سے اپنے عرفاں کا جام بھر دے — پیاسا ہوں میں خدارا، سید حسنؓ ہمارا

اپنی اسدؔ دعا ہے اور ان سے التجا ہے
محشر میں دیں سہارا، سید حسنؓ ہمارا

علامہ زینی دحلان

اسنی المطالب فی نجات ابی طالب

اس کے بعد علامہ برزنجی نے یہ بحث قائم کیا ہے کہ بعضوں نے مندرجہ ذیل آیات سے یہ مطلب لیا ہے کہ وہ ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی ہیں سو اس کے متعلق تحقیق مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) ایسی ایک آیت کا ترجمہ۔ نبی کے لئے اور مومنین کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے بخشش طلب کریں۔ اگرچہ وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں (جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ وہ دوزخی ہیں)

علامہ برزنجی فرماتے ہیں کہ جو احادیث اس آیت کے شان نزول سے متعلق ہیں۔ ان کی چھان بین کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ تین قسم کے افراد کے لئے ہیں (۱) یہ آیت ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی (۲) یہ آیہ آپ کی والدہ ماجدہ کے بارے میں نازل ہوئی (۳) یہ آیت ان مسلمانوں کے آباؤ اجداد کے لئے نازل ہوئی جو کفر کی حالت میں چل بسے اور ان کی اولاد ان کی وفات کے بعد ان کے لئے بخشش مانگتے تھے۔

ان مندرجہ بالا وجوہات میں سے دوسری شق جو یہ کہتی ہے کہ حضور کی والدہ ماجدہ کے بارے میں یہ قول نہایت ضعیف ہے۔ ہاں پہلی شق اس نظریہ کی جو یہ ہے کہ یہ خاص ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی ہے تو اس حدیث میں راویوں نے کچھ عبارت حذف کی ہوئی ہے۔ لیکن اس کے نزول کی صحیح وجہ اور مشہور تیسری شق ہے۔ یعنی ان مومنین کے بارے میں ہے جن کے آباد کفر پر مر گئے اور ان کی اولاد ان کی وفات کے بعد بخشش مانگ رہی تھی۔ کیا معترضین کو یہ بھی سمجھ نہیں آیا کہ یہ آیہ مبارکہ تو مدینہ میں نازل ہوئی تھی اور سورہ مدنی ہے۔ جو کہ تبوک کے بعد نازل ہوئی۔ اور ابوطالب کی موت تو مکہ میں واقع ہوئی تھی۔ اور اس وقت نازل ہوئی تھی جب کہ ابوطالب کی وفات کو ۱۲ سال کے قریب کا عرصہ بیت چکا تھا۔ اصل بحث ہمارا شق نمبر (۱) ہے۔ سو اسی سے متعلق ایک عجیب بات ہے کہ حضرت علی نے مختلف طرق سے روایت کیا ہے۔ امام احمد۔ ترمذی۔ طیالسی۔ ابن ابی شیبہ۔ نسائی۔ ابویعلی۔ ابن جریر۔ ابن منذر ابن ابی حاتم۔ ابوالشیخ۔ اور حاکم۔ اور حاکم نے اس کی تصحیح مانی۔ اور ابن مردویہ اور بیہقی۔ کہ اس آیت کا شان نزول اپنے مشرک آباؤ اجداد کے لئے بخشش مانگنا تھا۔

حدیث کا نفس مضمون یہ ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو اپنے مشرک والدین کے لئے بخشش مانگتے سنا۔ میں نے کہا کہ کیا تو اپنے والدین کے لئے بخشش طلب کر رہا ہے اور حال یہ ہے کہ وہ تو مشرک تھے

اس نے جواب دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لئے بخشش نہ مانگی تھی۔ پس یہ آیت نازل ہوئی کہ نبی اور مومنین کے لئے اس امر کی اجازت نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لئے بخشش کی دعا مانگیں خواہ وہ ان کے رشتہ دار ہوں..... الخ

یہ حدیث صحیح ہے لیکن چونکہ اس صحابی نے ابراہیم کو یاد کیا تھا اس لئے یہاں بھی اس سے مراد ابراہیم ہے۔ اب اس صحیح حدیث کا ایک اور شاہد ہے جو اس مضمون کی تائید کر رہا ہے۔ یہ حدیث جواب بیان کر رہا ہوں مسلم و بخاری میں موجود ہے اس کو ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اس کو ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اصحاب اپنے مردہ آباد اجداد کے لئے جو کفر پر مر گئے تھے۔ بخشش طلب کیا کرتے تھے جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی تو اس بات سے رک گئے لیکن پھر وہ اپنے آباؤ اجداد کے لئے دعائے استغفار مانگنے لگے۔ حین حیات سے لیکر ان کی موت کے آخری لمحات تک۔ تو پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

ترجمہ آیت نمبر (۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء استغفار (اپنے والد کے حق میں) ان کی موت تک تھی۔ یعنی جب وہ مر گئے تو رک گئے۔ یہ دوسرا شاہد ہے اور صحیح ہے۔ بیشک ذکر ابراہیم اور ان کے والد کا ہے۔ اور مشرکین کا۔ اور اس حدیث اور اس آیت پر عمل کرنا اور بدین معنی عمل کرنا کہ مورد۔ شان نزول اور مذکور ابراہیم اور ان کے والد تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ ابوطالب کا اندراج کیوں کر دیا جن کا یہاں ذکر ہی نہیں۔ سوال گندم جواب چنہ۔

علامہ برزنجی ذکر کرتے ہیں کہ اگر ابوطالب کے بارے میں نازل ہونے والی حدیث جو صحیحین میں ہے اور اس حدیث مذکورہ بالا جو ابراہیم کے بارے میں ہے۔ ما جمع کا عمل کیا جائے۔ تو پھر بھی ہمارا مقصود حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ جو حدیث یہ دلالت کرتی ہے کہ ابوطالب کے حق میں ممانعت استغفار ہے۔ اس میں حذف پایا جاتا ہے یعنی ایک جملہ آخری حذف کیا گیا ہے۔ جس سے رواۃ کو مغالطہ ہوا۔ جب راوی نے روایت یوں کی۔ "میں تیرے لئے بخشش مانگتا رہونگا حتیٰ کہ میرا رب مجھے اس استغفار سے منع کر دے۔ اور اور آیت نازل ہوئی کہ نبی کو زیبا نہیں اور نہ مسلمانوں کو کہ اپنے..... الخ۔ لیکن جو کلام آگے راوی سے حذف ہو گیا وہ مندرجہ ذیل ہے جو اس نے کہا۔

مسلمانوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کے لئے بخشش مانگتے ہیں تو ہم اپنے آباؤ اجداد کے لئے بخشش مانگیں گے۔" پس یہ آیت نازل ہوئی اور یہ ان کے حق میں نازل ہوئی جو یہ کہتے تھے کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے لئے بخشش مانگیں گے۔ جب یہ جملہ حذف ہو گیا تو راوی نے گمان کیا کہ یہ ابوطالب کے حق میں ہے اور اگر یہ جملہ ذکر بھی کیا جاتا تو اس کا مطلب یہی نکلتا کہ آیت اس بارے میں ہے کہ لوگ اپنے مشرک آباؤ اجداد کے بارے میں بخشش طلب نہ کریں۔

اس کے ضمن میں یہ مضمون وارد ہے کہ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب پر ایمان پیش کیا (ابوجہل کا

اور عبداللہ بن امیہ مخزومی) کے روبرو تو ابوطالب کے انکار پر حضور نے فرمایا کہ میں تیرے لئے بخشش مانگتا رہوں گا اور میری استغفار اس وقت تک ہوگی جس وقت اللہ تعالیٰ مجھے خود روک دے۔ پھر مومنین وقت نے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم اپنے چچا کے لئے بخشش کی دعا مانگیں تو ہم اپنے مردہ مشرکین آباؤ اجداد کے لئے دعا مانگنے لگیں گے۔ پس یہ آیت اُن کے حق میں یعنی اُن موجودہ مومنین صحابہ کے حق میں اُتری۔ پس راوی نے آخری جملہ حذف کر دیا۔ اور اختصار سے کام لیا۔ ہم نے بہت سی ایسی حدیثیں پائی ہیں جن میں یہ جمع ثابت ہوتی ہے۔ اُن میں سے ایک وہ ہے جس کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ اور ابوالشیخ نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابوطالب مرض الموت میں مبتلا تھے حضور صلعم تشریف لائے۔ کلمہ توحید پیش کیا۔ ابوطالب کے انکار پر حضور نے فرمایا جب تک میں اپنے رب سے روکا نہ جاؤں تمہارے لئے بخشش طلب کرتا رہوں گا۔ تو مسلمین وقت نے کہا کہ رسول خدا اپنے چچا کے لئے اور ابراہیم اپنے باپ کے لئے بخشش مانگتے ہیں۔ پس انہوں نے اپنے مشرکین رشتہ داروں کے لئے دعا مانگنا شروع کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ آیت نازل کی کہ نبی کے لئے اور مسلمانوں کے لئے یہ زیبا نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے دعاء استغفار مانگیں اور نمبر ۲ یہ نازل ہوئی کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کی بخشش کے لئے ان کی موت کے وقت تک دعا کی ... الخ

حدیث جمع نمبر (۳) ابن جریر نے شعبی کے طریق پر جس نے عمر بن دینار سے روایت کیا ہے۔ روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے والد کے لئے دعا مانگی پس میں بھی اپنے چچا کے لئے دعا مانگتا رہوں گا۔ جب تک کہ روکا نہ جاؤں۔ اس پر آپ کے اصحاب نے کہا کہ ہم مشرکین آباؤ اجداد کے لئے دعا کریں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو اپنے مشرکین رشتہ داروں کے حق میں دعا سے منع فرمایا۔ ثابت ہوا کہ یہ ممانعت اہل اسلام کو اپنے مردہ مشرکین آبا و اجداد کے لئے دعاء مانگنے کے حق میں ہے۔ یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ جو روایت ابوطالب کے بارے میں وارد ہوئی اس میں حذف اور اختصار ہے۔ جس کی وجہ سے یہ مشتبہ ہوئی اور راویوں نے گمان کیا کہ یہ ابوطالب کے حق میں ہے اور یہ خلاف امر واقع ہے۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ یہ جمع مقرر ہے۔ اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ سورہ تمام مدنی ہے اور ابوطالب کی وفات کے بعد جو مکہ میں ہوئی تقریباً ۱۲ سال بعد جنگ تبوک کے بعد نازل ہوئی تو معترضین اور منکرین کا تمام استدلال سرے سے ہی باطل ہو جاتا ہے۔

جو احادیث ہم نے اوپر بیان کی ہیں ان کے ساتھ دو شواہد کو ملایا جائے جو کہ مذکور ہیں اور پھر یہ حقیقت سامنے رکھی جائے کہ سورہ کا نزول مدینہ میں جنگ تبوک کے بعد نیز ابوطالب کی وفات کے ۱۲ سال بعد ہوا تو

پھر کس طرح اس قول کو ترجیح دی جا سکتی ہے کہ یہ ابو طالب کے بارے میں ہے۔ اس قول کو ترجیح دینے سے شواہد لغو قرار دیئے جائیں گے جو کہ محال ہے۔

اگر صحیحین کی حدیث میں یہ مذکور بھی ہو کہ یہ آیہ ابو طالب کے حق میں نازل ہوئی ہے تو وہ حدیثیں جو بخاری اور مسلم کے ماسوا دوسری حدیث کی کتابوں میں آتی ہیں۔ اُن کو ترجیح دی جائے گی۔ کیونکہ شواہد اور واقعات اور تاریخ وفات ابو طالب اور تاریخ نزول سورہ یہ ایسے امور ہیں جو یہ تقاضا کرتے ہیں کہ راجح ہمارے پاس ہے اور ترجیح اس قول کو دی جائے گی کہ یہ ابو طالب کے حق میں نہیں ہے۔ اس کا ثبوت ہمارے پاس یہ ہے کہ اصول حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شواہد اور واقعات کی موجودگی میں راجح قول وہی ہوگا جو کہ ان کے ساتھ وابستہ ہو۔ اور خواہ حدیث بخاری و مسلم کی ہی کیوں نہ ہو۔ ان کی موجودگی میں مرجوح ہو جائیگی۔ کیونکہ راجح شواہد سے مؤید ہوتی ہے۔ پس معترضین کا قول کہ ہم بخاری و مسلم یا ان میں سے ایک کی حدیث کو مقدم کرینگے۔ یہ علی الاطلاق غلط ہے یعنی ہمیشہ ایسا نہیں ہو سکتا۔

اس جمع سے جو ہم نے حدیثوں میں کیا ہے ایک اور تائید ہمارے مدعا کو مضبوط کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد سے ان کا چچا مراد ہے جس کو ہم نے اپنی تالیف حضور کے والدین کی نجات میں ثابت کر دیا ہے۔ اور اس کی تحقیق کما حقہٗ کر دی ہے۔

اس پر دونوں اہل کتاب یعنی توراۃ اور انجیل والوں کا اتفاق ہے کہ ابراہیم کا والد آذر نہیں تھا بلکہ یہ اُن کے چچا کا نام تھا جو کہ بُت بنا کر ان کو پوجتا تھا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں وارد ہے۔ "اے ابراہیم کیا تو مجھے اپنے خداؤں سے روکتا ہے۔" ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ کسی صحیح طریق سے یہ کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ ابو طالب نے بُت پرستی کی ہو۔ یا پتھر کو پوجا ہو۔ یا حضور صلعم کو خداوند قدوس کی عبادت سے منع کیا ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ابو طالب نے زبانی اقرار ترک کیا لیکن اس کا دل ایمان سے بھرا ہوا تھا۔ یا بعض واجبات کو ترک کیا مگر تصدیق قلبی بر ایمان و رسالت اس کو حاصل تھی۔ اس تصدیق قلبی اور قلبی ایمان بر رسالت و توحید کا نفع اُن کو آخرت میں ضرور ملے گا۔ اگر شریعت طاہرہ کے قوانین اور اسرار شریعت اور اصول ائمہ متکلمین کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے تو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ابراہیم کے چچا آذر اور رحمۃ للعالمین کے چچا ابو طالب ایک ہی ترازو کے پلڑے میں ہوں۔ اللہ تعالےٰ ایسے ناپاک خیال سے بچائے اور ایسا خیال کرنے سے ہم اسی سے پناہ مانگتے ہیں۔

قارئین کرام سے!

عرصہ آٹھ ماہ سے "الحسن" باقاعدگی سے آپ کی خدمت میں بھیجا جا رہا ہے لیکن آپ نے آج تک اس کا سالانہ چندہ ارسال کر کے ادارہ سے تعاون نہیں کیا۔ براہ کرم سالانہ چندہ جلد از جلد بھیج کر ادارہ سے مالی تعاون کریں بصورت دیگر آئندہ شمارہ آپ کے نام وی پی کیا جائیگا۔ جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔ (ادارہ)

جہانگیر ہوٹل سینما روڈ پشاور شہر

چکن تکہ۔ چکن روسٹ۔ چکن کباب۔ مرغ مسلّم۔ چکن تندوری

اور دیگر عمدہ اور لذیذ کھانوں کا بہترین مرکز

خود بھی لطف اٹھائیے اور مہمانوں کو بھی کھلائیے!!

شکر الحمد للہ

سلطانی مصالحہ جات

ایشیا بھر میں سب سے عمدہ ثابت ہو رہے ہیں

مرچ۔ ہلدی۔ گرم مصالحہ۔ سالن مصالحہ۔ دھنیا۔ میتھی قصوری اور کالی مرچ

بند ڈبوں میں دستیاب ہے؟

سلطانی برانڈ پراڈکٹس۔ پیپل منڈی پشاور شہر۔ فون نمبر ۲۳۳۰

شرح قصیدہ بردہ شریف

اور یہ کیوں؟ اس لئے کہ

گداز کن بہ بنفشہ زار دہ بیں
کہ از دست تطاول زلف چہ سوگوار انند

الغرض کوئی کسی مسلک سے تعلق رکھے۔ کوئی کسی مشرب سے وابستہ ہو، یہ غلامی اور یہ سوز و گداز دائرہ حیات میں وہ نقطہ ہے جو مرکز کا مقام ہے اور تمام تعینات اس کے گرداگرد گردش کر رہے ہیں۔ اگر آپ غور سے نظر کریں کہ عالم اسلام کے تمام فرقے۔ تمام فروع اور اصل الاصول کے تمام صالحین و ما درورا۔ صفوف بہ صفوف۔ سلوک بہ سلوک۔ بسط بر بسط۔ دور در دور۔ صدف بہ صدف۔ روز و شب اسی نقطے کے گرد۔ والہانہ گردش کرتے ہیں جس میں لاشعوری لاحق حال ہے کیونکہ اگر یہ مرکز نہ ہوتا۔ نہ دائرہ بنتا۔ نہ پرکار ہوتی۔ نہ حیات ہوتی نہ ممات۔ نہ پیمان مکان نہ شناخت لامکین۔ نہ عرفان خالق نہ صہبائے عشق۔ نہ کیف مدام۔ نہ سوز تشنگی، نہ محمل لیلیٰ۔ نہ سلمیٰ ۔۔۔ ۔۔۔ نہ مکان سلمیٰ۔ نہ سوز نہ ساز۔ نہ حب نہ گداز بلکہ عارفین محققین نے یہ بھی فرمایا کہ آگے بڑھ کر یہ کہہ دو۔ عین شریعت ہے۔ کہ نہ عبودی باری۔ نہ اس کی شان غفاری۔ نہ اس کا قہر قہاری۔ نہ شہود نہ نمود۔ غرضیکہ دو لو نیاری ہستی کی کہاں بود؟ حضرت بہلول فرماتے ہیں ؎

روشن از عکس جمالش عالم امکان ما
یک نگاہ ناز جانان قیمت ایمان ما

اس دعویٰ کی دلیل میں کہ یہ موضوع مذکورہ بالا سب کے لئے عین مراد ہے کہ ایک عجیب حقیقت قابل بیان ہے۔ وحکو بذا مولوی سید مسعود عالم ندوی اپنی کتاب دیار عرب میں رقمطراز ہیں: "لے دے کے امام ابو صیری کا ایک مشہور قصیدہ بردہ ہے"۔

بلاشبہ اس میں کہیں کہیں مقام نبوت سے تجاوز ہو گیا ہے۔ لیکن اس کا ہر ایک شعر درد و سوز سے بھرا ہوا ہے۔ راقم اپنی وہابیت کے باوجود اس کو پڑھتا ہے اور لطف اندوز ہوتا ہے۔ بحوالہ شرح انوار بردہ صفحہ (۷) مقدمہ۔ (مصنفہ پروفیسر فضل احمد عارف ایم۔ اے)

قارئین کرام! اس حوالہ کو نقل کرنا باعث تخاصم اور عناد نہیں بلکہ صرف اس قدر جتلانا مقصود ہے کہ تمام مسلک اور تمام مشرب اس پر متفق ہیں کہ مذکورہ بالا محبت و عشق، سب کا ایک ایسا جزو ہے جو کہ جزو لاینفک ہے۔ اگر اس کو ترک کر دیں تو انہدام دین ہے۔ یہی نماز محبت اور یہی نماز عشق ہے۔ اس کے انہدام سے انہدام کلی ثابت ہوگا۔ پھر طرفہ یہ کہ وہابیت مذکورا اور ذکر جمیل مصطفیٰ سے لطف اندوزی لازم و ملزوم نہیں تھے بلکہ مولانا مذکور خود اعتراف کر گئے۔ تو غرض صرف اتنی ہے کہ ان پر مفصل بحث اس لئے کی گئی ہے کہ دل اور ان نقوش کی تلاش میں اس وادی عرفان دیجیر کے

جواہرات اور ان کی لمعات کے متلاشی ہو کر اپنے احباب کے آگے تقسیم معارف و حقائق کریں۔ پہلے کمالہٗ ذکر اس جمالی کے لئے بھی کیا گیا۔ جو اس شعر کا مستفاد ہے۔ یہاں پر مولانا مسعود کی رائے کے تینوں اجزا پر تھوڑی سی بحث ہے جو دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔ اس کو پہلے بیان کرنا مقصود ہے تاکہ ہماری تشریح جو بردہ کے اس بیت سے متعلق ہے۔ ان تین اجزا سے اثر انداز نہ ہو۔

پہلی جز یا شبہ مقام نبوت سے تجاوز ہو گیا ہے

بحث نمبر۱۔ اس کی نقیض یوں ہوگی۔ بے شک گمان و بلا ریب شرع مطہرہ کی حدود کے اندر رہ کر عین ایمان و اسلام ہو گیا ہے۔ اس نقیض کی دلیلیں دو ہیں۔ اوّل یہ کہ خود ناظم فاہم نے اسی قصیدہ میں نظم کیا ہے

(بیت نمبر ۴۱)

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰى فِيْ نَبِيِّهِمِ

وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِيْهِ وَاحْتَكِمِ

(بیت نمبر ۵۱)

فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيْهِ اَنَّهٗ بَشَرٌ

وَاَنَّهٗ خَيْرُ خَلْقِ اللّٰهِ كُلِّهِمِ

یہ قرینہ ہے جس سے ہم نے دلیل نکال کر دعویٰ کی نقیض ثابت کی ہے۔ اور اس کا ترجمہ یہ ہے کہ نصاریٰ نے مقام نبوت سے تجاوز کر کے اپنے نبی عیسیٰ علیہ السلام کو الوہیت کا مقام دیا تو اے مخاطب ایک یہ بات ہے جس سے اجتناب لازمی ہے۔ باقی محاسن جس طرح چاہو اور جو چاہو۔ جس وقت چاہو بیان کرو یا مستفید ہو جاؤ

اس شعر نے نقیض بننے کا حق ادا کر دیا۔ اور جب نقیض ثابت ہوا تو مخالف کا قضیہ باطل ہوا۔

کیونکہ اجتماع نقیض محال ہے۔ پھر اس کو نقیض کیوں بنایا اگرچہ قرینہ صارفہ اسی کے اندر موجود ہے لیکن کسی اور شارح کا قول یا کسی اور شاعر اسلامی کا شعر اس کی تائید میں پیش کریں تو سونے پر سہاگہ ہوگا۔ اور وہ مندرجہ ذیل ہے۔ شارحین بردہ و شارحین از عرب و عجم اس سے مستفید ہو کر بطور قرینہ اسی کو پیش کر چکے ہیں

سخن ہر چہ گویم ہماں گفتہ اند

بہ باغ دانش ہمہ رستہ اند

مَا شِئْتَ قُلْ فِيْهِ فَاَنْتَ مُصَدَّقٌ

وَالْحُبُّ يَقْضِيْ وَالْمَحَاسِنُ تَشْهَدُ

(بحوالہ شارح بردہ موسومہ بہ انوار بردہ از پروفیسر فضل احمد عارف ایم۔ اے صفحہ ۱۵۱)

ترجمہ:۔ اے مادح ذات مصطفیٰ حضور اور حضور کے مقام کے بارے میں جو کچھ دل چاہے کہو۔ کیونکہ تو تصدیق کرنے والا ہے۔ یہی ہر مسلمان کا شیوہ ہے کیونکہ وہ حضور کی تصدیق قلبی۔ فعلی اور لسانی کلمات سے کر چکا ہے۔ ہاں یاد رکھو کہ محبت یہی تقاضا کرتی ہے اور بیان محاسن اس امر کے گواہ ہیں کہ تو تصدیق کرنے والا ہے۔ عاشق مصطفیٰ ہے۔ منکر کمالات نبویہ نہیں ہے۔ مکذّب محاسن نبوت احمدیہ نہیں ہے۔ یہ شعر تازیانہ ہے۔ کوڑا ہے جو کہ منکرین مقام مصطفیٰ کے راہ میں بے راہ ہو چکے ہیں۔ یہ بچارے قرینے کا موید بنا۔ ہمارا قرینہ موید بنا ہمارے دعویٰ پر اور ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ مقام نبوت سے تجاوز

نہ ہوا۔ قرینہ بہ قرینہ ۔ موید بہ موید ۔ تو نقیض ثابت ہو گئی ۔ فثبت نقیضہ ۔ وبطل نقیضہ ۔

اور پھر مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری
قرینہ بھی ذات بوصیری و دلیل بوصیری

شیخ سعدیؒ نے فرمایا جو کہ اسی شعر مبحث الیہ کا ترجمہ ہے

لایمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

دوسری دلیل ۔ ایک ادیب فرماتے ہیں السنا و رصحت دوم ۔ یہ ذکر جو علامہ مذکور نے کیا کہ بلاشبہ مقام نبوت سے تجاوز ہے ۔ ایک اور قول بھی کسی شارح نے ایسا نہیں لکھا ۔ اور نہ اس طرف گیا ہے کیونکہ اس کا رد خود امام بوصیری نے مندرجہ ذیل شعر میں کر دیا ہے ۔ ہاں نادر پر عمل واجب نہیں بلکہ اس کو نظر سے گرانا ہے ۔ اور شعر یہ ہے ۔

(شعر ۱۵) فمبلغ العلم فیہ انہ بشر
وانہ خیر خلق اللہ کلہم

ترجمہ :۔ علم کی انتہا یہی ہے کہ حضور بشر تو ہیں لیکن تمام مخلوق خالق سے افضل و بہترین ۔

یہ شعر ہماری تیسری دلیل کے لئے سیف قاطع اور برہان ساطع کا کام دے رہا ہے ۔

قارئین کرام ! خدارا انصاف جب تمام قصیدہ زیر مطالعہ نہ ہو ۔ صرف کسی ایک شعر سے مثلاً عالی ما الوویہ سے مغالطہ کھا یا ہو تو اس کی رائے کو مشاہدہ تامہ کا حق حاصل نہیں ہے ۔ اور مغالطہ اس لئے کہ یہ قصیدہ عشق و محبت کا ایک عمیق سمندر ہے ۔ اس میں مشاہیر زماں ڈبکیاں کھاتے ہیں ۔ جو ذوق صحیح اور مذاق عشق رکھتا ہو وہ سطح آب پر آ کر تیرنے لگا اور ساحل مراد کو پہنچا ۔ جو خشک زہد و تقویٰ اور علوم ظاہری کا دلدادہ ہوا وہ ڈبکیاں کھاتے اس بحر ناپیدا کنار کے اندر دھنستا گیا حتیٰ کہ تحت الثریٰ کو پہنچا ۔ مقام نبوت سے تجاوز کرنا یا قارئین کو کرانا حضرت ناظم پر اتہام ہے جو کہ ناقابل معافی ہے ۔

دوسرا مقام زیر بحث باوجود وہابیت کے ۔

اس کا اظہار اس جگہ ضروری نہ تھا ۔ کیونکہ امام زمانہ بوصیری ان مبحاث سے پاک تھا ۔ نیز یہ اگر تعریض ہے تو منکرین کے سامنے آئے اور ان کے آگے پیش کرنا چاہئے کیونکہ تعریض ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کو منکرین کے سامنے بطور جواب دلیل پیش کیا کرتے ہیں ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ پر تعریض فرمائی ۔ اور فرمایا انی اعلم ما لا تعلمون ۔ "میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے" ۔ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ وہابیت اور عشق مصطفےٰ میں تناقض اور تضاد ہے ۔ یعنی وہابی بننا اور ہے اور عشق مصطفےٰ کسی اور پرندے کا نام ہے ۔ اگر وہابیت کا تقرر ہو تو عشق مصطفےٰ کا فقدان ہے اور عشق مصطفےٰ کا تحقق ہو تو وہابیت کے پودے کا شیرازہ بکھر جائے ۔ اپنے مسلک کو اس جگہ پیش کر کے خود ہی ثابت کر دیا کہ آپ دامن شفاعت و دامن محبت مصطفےٰ سے دور ہو کر لطف اندوز ہو رہے ہیں ۔

اور ہمارا مقصد تخریب و پرخاش نہیں بلکہ وصال و جمع ہے ۔

تیسرا مبحث ۔ لطف اندوز ہوتا ہوں اور پڑھتا ہوں

یہ آخری قول ہے اور کسی اصل کی فرع ہے ۔ اصل یہ ہے وہابیت جو مذکور ہے اس کی فرع لطف اندوز ہوتا ہوں اور پڑھتا ہوں ۔ جب اصل باطل ہے تو فرع کا بطلان ثابت

گنجائش ایک فرع تو ہوتی تاکہ اصل باطل نہ ہوتا اور جب ایک اصل باطل تو تمام فروع باطل۔ پس یہ توجہ کے قابل نہیں ہے۔ لطف اندوز کون ہو سکتا ہے۔ صرف ایک وہ جو مذاقِ عشق و عاشقی رکھتا ہو۔ یا جو غلامئ مصطفےٰ کا دعویٰ کرتا ہو۔ اور وہابیت مذکور سے بعید ہو۔ نہ ہماری زبان سے بلکہ اپنی زبان سے۔

اب ہم اس آخری حرف پر پہنچے ہیں جسکو اوپر ذکر کیا تھا۔ اور جو حقائق و معارف و استنباط سے تعلق رکھتا ہے

حقائق و معارف ۔ بیت عشرہ

جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ بقعۂ نور جہاں جسدِ اطہر (صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہے (بطورِ امانتِ خالق) دو دنیا کے تمام اماکن مکہ عرش و لوح و قلم سے بھی زیادہ مقدس ہے تو اب ہوا نہ نہیں بلکہ ملہم ہے آثار و طلل کی یاد سے رونا و ماء اس نعت بذکر البان و العلم۔ ذکر کے ساتھ لام اجلیہ لگایا اور ذکر کے ساتھ کاف خطاب لگایا تو عبارت یوں ہو گئی لاجل ذکرک البان والعلم ہوا تو یہ لام اجلیہ تھا۔ صوفیا علیا فرماتے ہیں کہ جو حدیث اوپر بیان کی گئی اور فضیلت آرام گاہِ مصطفےٰ یعنی مرقد انور کے متعلق جو عجیب و غریب طہارت و شرف عظمیٰ بیان کیا گیا۔ اس کے تحت یہ مکہ معظمہ کے اماکن کی بزرگی بطور وقتیہ ہو گئی۔ اور یہ لام لام اجلیہ نہ ہوا۔ بلکہ لام وقتیہ ہوا۔

یہ نکتہ وہ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے بلاغت و بیان کے مروجہ علوم کے پیالے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں نوش فرمائے۔ اور مرض استسقائے طلب و سوز میں مستغرق ہو گئے۔ مکہ معظمہ کا شرف بیت اللہ ہونے کی وجہ سے دائمی اور حضور کا مولد بننے میں عارضی۔ مدینہ منورہ کا شرف مستقل اور دائمی ہے۔ کیونکہ وہ حضور کی آرام گاہ ہیں اور حضور حیات نبی ہیں۔ اور اس شرف کا سب سے اشرف ہونا کتب فقہ و حدیث و تفسیر میں مذکور ہے۔ مکہ معظمہ ایک کعبہ ہے جو ہمارا قبلہ ہے اور مدینہ منورہ و روضۂ اطہر ایک قبلہ ہے جو کہ کعبے کا بھی قبلہ ہے۔ مکہ معظمہ کو حضور کی قدمبوسی کا شرف حاصل ہے۔ لیکن ہجرت کے بعد روضۂ اقدس کی تراب مقدس کو حضور کے جسم کے ساتھ دو حجابوں سے جسمانی اور بروحانی سے مس کرنا دائمی ابدی اور قدیمی شرف حاصل ہے۔ اس لئے ذکر البان کی ترکیب کو لاجل ذکرک البان ٹھہرا کر پہلے لام کو لام اجلیہ کی بجائے لام وقتیہ کہنا درست ہوا یا الحبیب واضح ہوا۔

(۱) قال الاستاذ طول اللہ بقاہ وجعل آخرتہ خیراً من اولاہ خاصیۃ ہذا البیت وحدہ ــ انہ من کان فی قلبہ ضیق و کربۃ و عسرۃ من الآلام والاکدار فلیکتب ہذا البیت بالحروف المقطعۃ علی تفاحۃ ولیاکل کلہا فانہ یزول ضیق قلبہ و عسرتہ

و ہو

(۲) کتبہ علی زجاجۃ و محاہ بالماء و شربہ یزول ضیق قلبہ ایضاً

لاکن

فی الکتابۃ علی التفاح یکون التاثیر ازید

و قال

الاستاذ جربناہ مراراً فوجدناہ صادقاً [illegible]

السراج

مولانا مولوی قاضی انوار الحق صاحب بی اے سابق مفتی جونا گڑھ

چونکہ حضور پرنور رحمت مجسم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باعث ایجاد عالم ہیں اور آپ کی ذات اقدس اس کنز مخفی کا مظہر اتم ہے۔ آپ کا وجود ذی جود تختۂ کائنات ہے۔ اور آپ ہی کے صدقہ سے اس طاؤس خاکی میں تخم حیات ہے۔ آپ کی ذات والاصفات مرکز وجود کا دائرہ اولی ہے اور آپ کا نور سامی اس سارے کون و مکان کا ہیولیٰ ہے آپ ہی بحث کی صفت آولین ہیں۔ اور آپ ہی حسن احد کے خیال حسین ہیں۔ اسی لئے سارے انبیاء علیہم السلام کو جو سادۃ الکائنات تھے ان کے استقبال و اشتہار کے لئے روانہ کیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر ایک نبی مکرم نے اس خواجۂ دوسرا کی آمد کا سلسلہ بسلسلہ مژدہ سنایا۔ جس طرح خود خلاق عالم نے سید عالم کے متعلق تمام انبیاء علیہم السلام سے اقرار لیا۔ اسی طرح ہر پیغمبر اپنی امت سے اس شہنشاہ والاجاہ کے لئے بیعت لیتا چلا آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس چرخ کہن سال نے اسی محبوب جان نواز کے لئے ہزاروں سال انتظار کیا۔ اور کارکنان قضاء و قدر نے جس قدر بزم آرائیاں اور جدت طرازیاں کیں وہ اسی شہنشاہ کونین کے قدوم میمنت لزوم کی تیاریاں تھیں۔ عزم خلیل، حسن یوسف، ید بیضا اور دم عیسیٰ اسی قدسی الاصل کے انفاس پاک تھے۔ علامہ بوصیری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

وکل آیٍ اتی الرسل الکرام بہا!
فانما اتصلت من نورہ بہم
فانہ شمس فضل ہم کواکبہا
یظہرن انوارہا للناس فی الظلم

یعنی جو نشانی بھی انبیاء سے پیشتر سے ظاہر ہوئی۔ وہ حضور سرور عالم ہی کی بدولت نصیب ہوئی۔ آپ فضل و کمال کے سورج ہیں۔ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام تارے۔ جو اس آفتاب محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی لوگوں کو تاریکی میں دکھاتے رہے۔

چونکہ اس فرمانروائے عالم کا مولد عرب کی ریگستانی چٹیل اور بے آب و گیاہ زمین کو بنایا تھا تاکہ ساری دنیا پر غلبہ خداوندی اور سطوت ربانی کا راز کھل جائے اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ وہ غالب و قاہر خدا کس طرح ایک لق و دق صحرا اور وادی غیر ذی زرع میں نخل مراد کو اگا کر سارے عالم کو متمتع فرماتا ہے اور پھر چونکہ دار الخلافہ ہمیشہ سلطنت کے وسط میں ہوتا ہے تاکہ شاہی فرامین ممالک محروسہ کے گوشہ گوشہ تک نہایت عجلت اور سہولت کے ساتھ پہنچ سکیں۔ اس لئے آخری تاجدار رسالت کا تبلیغی دار السلطنت عرب قرار دیا گیا تاکہ یہاں سے اٹھی ہوئی آواز ایشیا، یورپ اور افریقہ کے دور دراز کونوں تک یکساں وجوہ پہنچ سکے۔ اسی بے آب و گیاہ اور طویل و عریض صحرا میں

اللہ تعالیٰ نے ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں سے آنے والے عالمگیر مصلح کے دارالاشاعت و التبلیغ کے مرکزی دفتر کو کعبہ معظمہ کی بنیاد ڈلوا دی اور یہ سب سے پہلا مرکز تھا۔ کہ جو بندوں کو خدا سے ملانے کے لئے کھولا گیا۔ یہ اول بیت تھا جو ہدایت عالم کے لئے صفحۂ زمین پر بن گیا۔

طوفانِ نوح نے جب ساری دنیا کو لقمۂ سیل بنایا تو یہ تبلیغی سنٹر بھی منہدم ہو گیا۔ دیواریں گر گئیں مگر بنیادیں قائم رہیں۔ ایک زمانہ بعد انہی بنیادوں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پھر مرکز کی تعمیر کا حکم ہوا۔ آپ نے اپنے مقدس بیٹے کی معیت میں مشیت ایزدی کو پورا فرمایا۔ قرآن پاک فرماتا ہے واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسمٰعیل ؕ اور یہ ظاہر ہے کہ رفع اور وضع میں فرق ہوا کرتا ہے رب العزت نے اس کی دوبارہ تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس لئے کروائی تاکہ دنیا کی آنے والی آبادی جو انہیں اپنا پیشوا اور مقتدا سمجھے وہ اپنے آپ کو اس مرکز سے منسلک کرنے میں کسی قسم کی پس و پیش نہ کر سکے۔ آج دنیا کی ۳/۴ آبادی حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو اپنا پیشرو اور واجب التعظیم تا مد سمجھتی ہے۔ یہودی صبائی صابی اور مسلمان سب کے سب نسباً اور مسلکاً اسی ذات والا صفات سے متعلق ہیں۔ فاتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفا ط

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مقدس زندگی پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو آپ کی زندگی قربانیوں کا ایک شاندار مجموعہ معلوم ہوتا ہے۔ جب آپ نے علم توحید کو بلند فرمایا تو سارا کنبہ۔ ساری قوم۔ اور ساری سلطنت آپ کے مخالف ہو گئی۔ آپ کو آگ میں ڈالا گیا جو رحمت خداوندی سے برداً وسلاماً ہو گئی آپ کو ملک بدر کر دیا گیا۔ آپ نے سفر کی صعوبتیں گوارا فرمائیں مگر خدا کا پیغام سنانے سے باز نہ رہے۔ آپ نے محبت خداوندی کے لئے گھر بار، خویش و اقارب اور مولد و مسکن کو چھوڑا مگر جہاں گئے توحید کا نغمہ سناتے گئے۔ آگ سے بچ کر آپ اُدھر سے حران تشریف لے گئے۔ وہاں سے فلسطین ہوتے ہوئے بحیرہ لوط کے پاس سودم میں فروکش ہوئے یہاں اپنے بھتیجے لوط علیہ السلام کو مبلغ کی حیثیت سے چھوڑ کر مصر تشریف لے گئے۔ مصر سے واپس جبرون آئے اور یہاں سے حجاز کا رُخ فرمایا۔ وہاں آثارِ کعبہ کے قریب خدا کے حکم سے اپنے اکلوتے لڑکے اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ ماجدہ بی بی ہاجرہ کو چھوڑا اور یہ سارا سفر اور ساری تکلیفیں محض رضائے ربی کے لئے اٹھائیں۔

کچھ عرصہ بعد بحکم خداوندی حضرت صفی اللہ کی بنیادوں پر خانہ کعبہ کو بلند فرمایا۔ جس کی تعمیر اس لئے ہوئی کہ ساری دنیا کے موحد کھنچ کھنچا کر اس مرکز دین پر جمع ہوں جہاں اپنے مولیٰ کی توصیف و تحمید کے علاوہ اس سید الرسل کے ساتھ وفاداری کا اعلان کریں۔ اور یہی پیغام اپنے ایاب و ذہاب میں ساری دنیا کو سناتے چلے جائیں۔

کعبہ مکرمہ کے اردگرد جمع ہونے والی آبادی نے مکہ کے نام سے شہر بسایا۔ مکّ یمکّ عربی میں پستان سے دودھ چوسنے کو کہا جاتا ہے۔ گویا ذات باری نے اس نام کے اندر یہ پیشگوئی بطور ودیعت فرما دی۔ کہ آنے والی دنیا دایہ مکہ کے پستان سے دین فطرت کا دودھ پئے گی۔ جس طرح دودھ سے بچے میں توانائی اور بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح اس بشری بچے میں دین فطرت ہی کے دودھ سے قوت و قیام آئے گا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جب تک مسلمانوں کے جسم میں اس فطری دودھ کا

اثر تھا۔ جو مکہ کی شفیق دایہ نے اسے پلایا تھا۔ تو اس کی قوت و طاقت دنیا میں مسلمہ چیز تھی۔ اس کی بالیدگی اور قیام حیرت انگیز تھا۔ مگر جب اس نے شیرِ فطرت کے چشمے سے انکار کر دیا اور نافع کعبہ کر اس کے پینے سے انحراف کیا ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ وباؤا بغضب من اللہ کا مظہر بن گیا۔

جب خلیل و ذبیح علیہم السلام عمارت کعبہ کو مکمل کر چکے تو دعا کے ذریعہ مشیتِ الٰہیہ کا اعلان فرمایا ربنا وابعث فیہم رسولا منہم یتلوا علیہم آیاتک ویعلمہم الکتاب والحکمۃ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعمیر کعبہ محض نبی آخر الزمان کی سلطنت باہرہ کا اشتہار تھا۔ اسی واسطے خود قرآن پاک نے کعبۂ مکرمہ ھدی للعالمین فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں ہدایت سے مراد ایصال الی اللہ یا طریق خداوندی کی نہیں کیونکہ کعبہ شریف بذاتِ خود تو تبلیغ و ہدایت سے قاصر ہے اس لئے یہاں ھدیٰ سے مراد ہادی الی الرسول اور مقصد کو منزل کے گھر کا نشان راہ ہی ہو سکتا ہے اور حقیقت میں کعبہ کی طرف ۶۵ کروڑ مسلمانوں کا ہر نماز میں منہ کرنا۔ اس کی زیارت کے لئے لاکھوں مسلمانوں کا ہر سال سفر کرنا۔ اور اس کی طرف آنے کے لئے کروڑوں مسلمانوں کا دن رات تڑپنا اسی ذات مطہر کے گوشۂ التفات کیلئے ہے ؎

مرحبا اے فیضِ بخشش کائنات
یافت ترکیب از وجودِ تو حیات

چونکہ کعبہ مکرمہ کو اسلام کا عالمگیر مرکز بنانے میں زیادہ تر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حصہ لیا تھا۔ اس لئے سید الثقلین نے اس مرکز کی روحانی سلطنت کو دعائے خلیلی سے تعبیر فرمایا۔ اس لئے حج ایک طرف تو حضرت خلیل اللہ کی سند قبولیت اور کامیابی کی یادگار ہے۔ اور دوسری طرف حیاتِ انسانی کے سب سے پہلے محسن اور سب سے پہلے مصلح کی سالگرہ ہے۔ جنہوں نے اسی مرکز سے عالمگیر امن و راحت، عالمگیر محبت و رحمت اور عالمگیر اخوت و مساوات کا پیغام دیا۔ اور جہاں دنیا کے لاکھوں مستطیع مسلمان رنگ و نسل، قوم و ملک، اور زبان و وطن کے تنگ دائروں سے نکل کر فطرت اور انسانیت کی انتہائی وسعتوں کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

حضور کی تشریف آوری کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ آپ نوع انسانی کو ایسی راہ بتائیں کہ جس پر چل کر ہر ایک انسان انفرادی طور پر انسانیت کاملہ کا نمونہ بن جائے۔ اور اجتماعی طور پر عبادت و اتحاد، اخوت و مساوات اور ایثار و قربانی کا ایک عالمگیر احساس پیدا ہو جائے اس مقصد عظیم کے لئے تربیت انسانی کے پروگرام کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا جسے شریعت کی اصطلاح میں نیت اور عمل کے ساتھ تعبیر فرمایا۔

نیت وہ اعتقادی خاکہ ہے جو کام کرنے سے پہلے باطن کے پردے پر پلین کی صورت میں تیار کیا جاتا ہے۔ اور عمل وہ خارجی عمارت ہے جو اس پلین کے مطابق معرض وجود میں آتی ہے۔ نیت کی درستگی کا نام ایمان ہے۔ اور ایمان کے عملی مظاہرے کا نام اسلام۔ ایمان نیت کی خرابیوں کا سدِ باب کرتا ہے اور اسلام ان نیک مقاصد کو باحسن وجوہ پروان چڑھاتا ہے۔

اسلام کے پانچ رکن ہیں کلمہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ کلمہ خدا اور رسول کے ساتھ وفادار رہنے کا اقرار ہے۔ نماز تزکیہ نفس، طہارت عبادت، پابندی وقت، اتحاد، تنظیم، و مواسات کا اجتماعی نظام ہے۔ روزہ ضبطِ نفس صبر و تحمل، خیر و خیرات، تلاوت و عبادت، خدمتِ خلق اور غربا پروری کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ زکوٰۃ ایک طرف ہمدردی اخوت، نفقۃ الفوادی اور سخاوت و فیاضی کے اخلاق حسنہ کا

مظہر ہے تو دوسری طرف بخل و اسراف، خود غرضی اور غرور جیسے اخلاق رذیلہ کا مزیل ہے۔ سب سے آخری اور پانچواں رکن حج ہے۔ جس کی رُو سے ہر ذی استطاعت مسلمان پر زندگی میں کم از کم ایک دفعہ بیت عتیق کی زیارت کے لئے جانا فرض ہے۔ کلمہ، نماز، روزہ اور زکوٰۃ نے عالم انسانیت کی جن مختلف سمتوں کی فرداً فرداً اصلاح کی۔ حج ان سب کو اجتماعی طور پر درجہ کمال تک پہنچاتا ہے اس لئے حج اسلام کا اتنا ضروری رکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باوجود استطاعت کے حج نہ کرنے کو ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین کی رُو سے کفر کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ حضور نے فرمایا ہے۔ کہ جس شخص کے پاس رستہ کا خرچ اور سواری کا انتظام ہو اور پھر بھی حج نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ یہودی مرے یا نصرانی۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا۔ کہ حج کس پائے کا رکن ہے۔ اور اس کی ادائیگی میں پس وپیش کرنا کس قدر وعید شدید کا باعث ہے۔

عزیزو! دنیا کے سلاطین بھی کوئی قانون ملکی مصلحت اور افادیت کے بغیر نافذ نہیں کرتے اگرچہ اس کے مصالح و اسرار کو عامیانہ عقلیں پورے طور پر نہ سمجھ سکیں۔ تو پھر آپ ہی غور کریں کہ احکم الحاکمین اور سلطان السلاطین کے احکام کس قدر حکم و اسرار سے لبریز ہوں گے۔ اگرچہ ہماری عقلیں ان کے اسرار دقیقہ اور مصالح غامضہ کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔ حقیقت میں تو اس کے سامنے عجز و ادراک کا اعتراف ہی ادراک ہے ؎

رموز مملکت خویش خسرواں دانند
گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

مگر چونکہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کے لئے منادی کرنے کا ارشاد فرمایا تو اسی مقام پر اس حج کی رسم لیشھدوا منافع لھم کے الفاظ میں فرما دی تاکہ وہ لوگ یہاں آکر حج کے فوائد کو دیکھیں اور یہاں ہی سے شاہان عالم اور اس سلطان ذی شان کے قوانین کا فرق معلوم ہو جاتا ہے دنیوی بادشاہ جو احکام نافذ کرتے ہیں۔ اس میں وہ اپنے فائدے کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔ مگر رب العزت اپنے قوانین میں جو مصالح و حکم ودیعت فرماتا ہے اس میں اس کا اپنا کوئی فائدہ مضمر نہیں ہوتا بلکہ ان مصالح ومنافع کا مرجع مخلوقات کی ذات ہوتی ہے۔ ورنہ ذات بے ہمتا پر احتیاج کا نقص وارد ہو جاتا ہے ؎

من نکردم خلق تا سودے کنم
بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

اگرچہ حج کے فوائد حنیفہ اور اس کے اسرار دقیقہ کا احاطہ کرنا حیطہ تحریر سے باہر ہے مگر بقول مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ، چند ایک مشتے نمونہ از خروارے پیش کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ حج کو کس لئے تعمیر انسانیت کا جزو اعظم قرار دے کر رکن اسلام ٹھہرایا گیا ہے اور اسی کے ضمن میں آپ پر بھی بخوبی روشن ہو جائے گا کہ اسلام بجوی ایک عالمگیر آئین حیات اور مکمل نظام زندگی ہے۔

حج کے فرض ہونے کیلئے پانچ شرطیں ہیں، اسلام، بلوغ، عقل، حریت اور استطاعت، استطاعت یہ ہے کہ انسان تندرست ہو، رستہ پرامن ہو۔ اور اس کے پاس اتنا مال ہو کہ راستہ کے اخراجات برداشت کرنے کے علاوہ مراجعت وطن تک اہل عیال کے نفقہ کا بھی انتظام کر سکے۔ سب سے زیادہ ضروری زادِ راہ ہے تزودوا فان خیر الزاد التقویٰ یعنی زاد راہ

لو، کیونکہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔ اور زادِ راہ کیوں ایک اہم چیز ہے۔ اس لئے کہ مالی اعتبار سے مسلمانوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ غریب اور امیر، غریب فقدانِ مال کی وجہ سے عموماً عباداتِ بدنیہ میں مصروف رہتے ہیں۔ جیسے نماز، روزہ، اور تسبیح و تہلیل، وغیرہ مگر مالدار جو نشۂ دولت میں مخمور ہوتے ہیں۔ انہیں عباداتِ بدنیہ کی طرف زیادہ توجہ نہیں ہوتی اور توجہ تو درکنار اسے ایک قسم کا بار سمجھتے ہیں۔ ربّ العزت کی شانِ کریمانہ نے چاہا کہ مالداروں کو بھی لذتِ عشق اور ذوقِ محبت سے محروم نہ رکھا جائے۔ اور انہیں بھی مالی آزمائشوں کے تحت بدنی تکالیف سے ہمکنار کر کے درجۂ تقرب سے نوازا جائے پھر مالدار اس وادیٔ غیر ذی زرع میں جاکر اس مال کے ذریعہ اطعمہم من جوع کا مظہر بنے۔

اس کے علاوہ مالدار عموماً عیش پرست، اور نازک اندام ہونے کی وجہ سے کمزور دل ہوتے ہیں۔ اسی واسطے وہ کفار کے مقابلہ میں جہاد و قتال کی فضیلت سے محروم رہتے ہیں۔ اس لئے رحمتِ خداوندی نے ان کے ضعف و نزاکت پر نظرِ ترحم فرما کر سفرِ حج کی مشقتوں کو ان کے لئے جہاد کا قائم مقام بنا دیا۔ تاکہ وہ بھی فضیلتِ جہاد کو حاصل کر سکیں اور شاید اسی واسطے حضورؐ نے فرمایا ہے الحج جہاد کل ضعیف۔

سفرِ حج دنیا کے تمام دوسرے سفروں سے ایک عجیب امتیازی شان رکھتا ہے۔ لوگ دنیا میں مختلف اغراض کے لئے سفر کرتے ہیں کوئی مال و دولت کمانے کے لئے۔ کوئی سیر و سیاحت کے لئے۔ کوئی کتاب و علم کے لئے۔ تو کوئی کسی کی ملاقات کے لئے مگر سفرِ حج محض خدا اور رسول کی خوشنودی کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔

حاجی اپنے وطنِ عزیز کو چھوڑتا ہے، اہل و عیال سے جدا ہوتا ہے، سفر کی صعوبتیں اور رستہ کی مصیبتیں جھیلتا ہے، اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی کو بطوع و رغبت پانی کی طرح بہاتا ہے اور اس سارے سفر میں اطاعتِ خداوندی اور ادائیگیٔ فریضہ کے سوا اس کا اور کوئی جذبہ نہیں ہوتا۔

اب آپ خود ہی سوچیں کہ جو شخص ایسے پاک اور بے لوث جذبہ کے تحت اس سفر کو اختیار کرتا ہے اس کے حالات و جذبات میں کس قدر شاندار انقلاب واقع ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ حاجی سفرِ حج اختیار کرنے سے پہلے اقارب و احباب سے مل کر اپنی غلطیوں کی معافی مانگتا ہے۔ احباب تو کجا ہے خود اعداء تک کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ واجب الادا حقوق کو ادا کرنے کی سعی کرتا ہے۔ اور روانگی سے قبل نہایت تضرع و ابتہال سے دو رکعت پڑھ کر اپنے گزشتہ گناہوں پر ندامت کا اظہار کرتا ہے اور آئندہ ترکِ ذنوب کا مصمم ارادہ کرتا ہے اور اس طرح یہ خدا کے رستہ کا مسافر پاکی و نیکی اور صلح و آشتی کا مجسمہ بن کر روانہ ہوتا ہے۔ قدم قدم پر اس کا کاسۂ دل جذباتِ تشکر سے چھلکتا ہے کہ وہ اپنی اس فانی زندگی میں ایسی قیمتی سعادت کو حاصل کر رہا ہے۔ ؎

شکرِ خدا کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے
جس پر نثار جان فلاح و ظفر کی ہے
گرمی ہے تپ ہے درد ہے کلفت سفر کی ہے
ناشکر، یہ تو دیکھ عزیمت کدھر کی ہے

اس سفر میں سب سے پہلی چیز جو حاجی صاحب کو حاصل ہوتی ہے وہ تزکیۂ اخلاق ہے۔ جب حاجی سفر میں اپنے دوسرے بنی نوع سے ملتا ہے تو وہ اپنی ہر ہر حرکت و سکون پر نہایت کڑی نظر رکھتا ہے تاکہ اس کی کوئی فروگذاشت اس کے ہم سفر احباب

کے لئے باعث تکلیف بنکر مالک الملک کی خفگی کا باعث نہ بن جائے۔

سفر تو یوں بھی بہترین معلم اخلاق ہے مگر بالخصوص وہ سفر جو محض رضائے خداوندی کے لئے اختیار کیا جائے۔ اس میں ہر ایک کو اپنے اخلاق کا بدرجہ کمال خیال رکھنا پڑتا ہے۔ چونکہ سفر حج ایک طویل عرصہ کے لئے ہوتا ہے۔ اس لئے باہمی اختلاط دینی و دنیوی، ظاہری و باطنی اور علمی و عملی فوائد پر منتج ہوتا ہے اور پھر بالخصوص ایسے لوگوں کا اجتماع جن کا مقصد و عبادات باری تعالیٰ ہو گویا وہ منفرد چراغ اجتماعی صورت میں ایک نور کا بہتا ہوا دریا بن جاتے ہیں جس سے ہر ایک حاجی کا روحانی آئینہ اپنی اپنی استعداد کے مطابق پر تو قدس سے چمک اٹھتا ہے پھر یہی سفر اگر ایک طرف وسیلۂ ظفر ہے تو دوسری طرف قطعہ من السقر ہے۔ یا بہ الفاظ دیگر سفر ایک قدرت کی کٹھالی ہے جس میں مسافر کے اخلاق و اعمال کو گرما کر آزمایا جاتا ہے عالم غربت میں مالدار سے مالدار انسان کو بھی بعض دفعہ تکالیف شاقہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خوف، بھوک، پیاس، بیماری خسران مال، اور نقصان راحت تو معمولی باتیں ہیں۔ ریل اور جہاز میں دیکھو تو کسی کا جی متلا رہا ہے، کوئی درد سر میں مبتلا ہے۔ کسی کو قبض کی شکایت ہے تو کوئی اسہال کا مریض ہے کوئی اہل و عیال کی جدائی میں نڈھال ہے۔ تو کوئی کسی اور وجہ سے پریشان حال ہے۔ غرض کہ اس سفر میں ابتداء سے انتہاء تک عاشقانہ امتحان ہوتا ہے۔ مگر اس امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد اولٰئک علیہم صلوٰۃ من ربھم ورحمۃ واولٰئک ھم المھتدون کا سرٹیفکیٹ عطا کیا جاتا ہے۔

سفر حج باقی اسفار سے اس معاملہ میں بھی ممتاز ہے کہ آپ دوسرے سفر کسی وقت اور کسی سمت میں بھی اختیار کر سکتے ہیں مگر سفر حج کے لئے مخصوص وقت اور معین مقام ہے۔ اس کے بغیر حج ادا نہیں ہو سکتا۔ حج کا وقت شوال سے شروع ہو کر اوائل عشرہ ذی الحجہ تک ہوتا ہے۔ اگر آپ اس وقت سے آگے یا پیچھے دوسرے مہینوں میں حج کا احرام باندھ کر خانہ کعبہ میں جا کر اعمال حج ادا کریں گے تو حج نہیں بلکہ عمرہ کہلائے گا۔ حج اور عمرہ میں یہی فرق ہوتا ہے کہ حج مقررہ دنوں میں کیا جاتا ہے۔ مگر عمرہ کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں۔ آپ کسی وقت بھی کر سکتے ہیں۔

رب العزت نے حج کے لئے تعین زمانی اس لئے فرمائی کہ عبادت نام ہے اطاعت خداوندی اور تعظیم ربانی کا۔ مگر طاعت تامہ کے لئے توجہ قلب ایک لازمی چیز ہے۔ ورنہ زبان در ذکر و دل در فکر خانہ والا حساب ہوگا۔ اگر عبادت صرف ظاہری افعال و حرکات کا نام ہوتا تو پھر مرائین، مجانین اور مستہزئین کی عبادتوں کو ساقط الاعتبار نہ فرمایا جاتا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ تعین زمانی اور تخصیص زمانی جس قدر توجہ کو منعطف کر سکتی ہے تعمیم کرنے سے قاصر ہے۔ اسی لئے تو شریعت نے نماز، روزہ اور دوسری عبادات کو موقت فرمایا۔ اس کے علاوہ کسی فعل کا بغیر وقت کے ادا ہو سکنا محالات سے ہے۔ اور جب آپ کسی وقت میں اس فعل کو ادا کریں گے تو پھر وہی اعتراض وارد ہوگا۔ اور اگر ہر سال مختلف وقت مقرر کیا جاتا کہ کبھی سال کے کسی مہینہ میں ہو اور کبھی سال کے کسی مہینہ میں۔ تو پھر اس کے تعین کی خبر دنیا کے اطراف و اقطار میں اور ہر گوشہ و بستہ میں کون پہنچاتا۔ اس لئے رب العزت نے تعین وقت فرما کر امت مسلمہ پر ایک احسان عظیم فرمایا۔

ہاں یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اگر حج کے لئے تعین زمانی کی

ضرورت تھی تو پھر شمسی حساب مقرر کر دیا جاتا تاکہ حج ہمیشہ ایک ہی موسم میں آتا اور لوگ اختلاف موسم کی پریشانیوں سے بچ جاتے۔

جواب! چونکہ اسلام عالمگیر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور عالمگیر مذہب کے لئے ضروری ہے کہ اس کے قوانین بھی عالمگیر ہوں۔ ان میں مساوات اور برابری کا لحاظ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی کے ساتھ تو مہربانی برتی جائے اور کسی کے ساتھ نامہربانی۔ اب اگر حج یا دوسرے عبادات کو شمسی حساب کے ساتھ موقت کیا جاتا تو جن ملکوں میں وہ سردیوں میں آتا وہاں ہمیشہ حاجی لوگ سردیوں میں اسباب سفر باندھتے اور جن ملکوں میں گرمیوں میں آتا تو وہ ہمیشہ گرمیوں میں گھروں کو چھوڑتے۔ اسی طرح مکہ معظمہ کا موسم بھی ہمیشہ یا تو گرم رہتا یا سرد۔ مگر اسلام نے قمری مہینے کے ساتھ تعیین فرما کر اپنے عالمگیر ہونے کا زبردست ثبوت دیا۔ اب ہر ایک ملک کو حج سردی گرمی یا بہار و خزاں میں مل جاتا ہے۔ اسی طرح مکہ معظمہ کا موسم بھی تبدیل ہو کر ہمیشہ مساوات کا باعث بن جاتا ہے۔

پھر قمر کا ہلال و بدر ماہواری طلوع و غروب سے خود ایک مستقل جنتری کا کام دیتا ہے۔ جس سے مسلمان اشہر حج کو بلا تکلیف معلوم کر لیتے ہیں۔ مگر اس کے برعکس شمسی کا حساب بغیر جنتری اور تغیرات موسم کے معلوم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

اب رہی تعیین مکانی کہ خانہ کعبہ کو حج کا مقام کیوں مقرر کیا گیا۔ اور بعض معاندین نے تو اس تخصیص مکانی پر یہاں تک اعتراض کیا کہ مسلمان تو خانہ کعبہ کی پرستش کرتے ہیں۔ اسی لئے تو وہ اپنی نمازوں میں اس کی طرف منہ کرنا لازمی سمجھتے ہیں اور اسی کی طرف منہ کر کے سجدے کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ خدا تعالیٰ کو مقید بالمکان نہ سمجھتے تو کس لئے اتنے دور دراز سے سفر کر کے محنت شاقہ اٹھا کر اور مال وافر خرچ کر کے وہاں جاتے اگر خدا کے حاضر و ناظر ہونے پر ان کا ایمان ہوتا تو اینما تولوا فثم وجہ اللہ کے مطابق جہاں چاہتے اجتماعی طور پر خدا کی تقدیس و تمجید کرتے۔ حج کر لیتے۔

جواب! سب سے پہلے مخالفین کے اعتراضات کا جواب سن لیں۔ اور اس کے بعد میں تخصیص کعبہ کی حکمت بیان کروں گا۔ مخالفین کا یہ کہنا کہ مسلمانوں کا کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اور اسی جہت میں سجدہ کرنا کعبہ کی پرستش ہے۔ محض غلط فہمی۔ اور کوتہ چشمی ہے۔ کعبہ مسجود لہ نہیں بلکہ مسجود الیہ ہے۔ ساری نماز میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جو کعبۃ اللہ کی ستائش و نیائش کے لئے ہو۔

نماز ابتداء سے انتہاء تک خلاق عالم کی تعریف و توصیف ہے۔ مسلمان تو بجائے خود کفار تک خانہ کعبہ کی پرستش نہ کرتے تھے۔ اگر وہ خانہ کعبہ کی پرستش کرتے تو پھر اس کے اندر بت نہ رکھتے۔ پھر جن زمانوں میں اس کی تعمیر و تغیر ہوتی ہے اس میں مسلمان اپنی نمازیں بند کر دیتے کیونکہ جب معبود منہدم ہے تو پھر سجدہ کسے کیا جائے گا۔ پھر اگر پرستش کعبہ مقصود ہوتی تو پھر مسلمان ایک عرصہ دراز تک مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں حضور کی متابعت میں غیر کعبہ کی طرف منہ کر کے نمازیں نہ پڑھتے۔ پھر عین نمازوں سے فارغ ہو کر دعاؤں کے لئے تحویل نہ فرماتے۔ پھر وہ قوم جو بتوں سے اس قدر نفرت ہو کہ اساف نائلہ کی وجہ سے وہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے سے ہچکچاتے ہیں اور جب تک انہیں صریح حکم نہ آ جائے کہ فلا جناح علیہ ان یطوف بہما! اس وقت تک وہ ان کے درمیان دوڑنا بت پرستی کے مترادف سمجھیں تو پھر وہ کس طرح غیر اللہ کی عبادت کر سکتے ہیں (باقی آئندہ)

ہماری فخریہ پیشکش

آٹا

○ میدہ
○ سوجی
○ چوکر

نفاست سے بھرپور

ہر وقت دستیاب ہے

بلور فلور اینڈ جنرل ملز لمیٹڈ

چارسدہ روڈ۔ پشاور فون نمبر ۲۵۰۰

بلور بلڈنگ۔ بازار داگراں پشاور۔ فون نمبر ۲۶۴۹

گرام: RICE ● ٹیلی گرام: "البشیر" ● فون نمبر ۲۲۸۸

از مدیر

ابو البرکات حضرت سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی جد و جہد

یہ ایک امر مسلمہ ہے کہ جب اس ربع مسکون میں طاغوتی طاقتیں اپنی چیرہ دستی سے ضلالت اور گمراہی کے دور کا آغاز کرتی ہیں تو ساکنان دہر قالو بلیٰ کے عہدِ قدیم کو بھلا کر پرستار حرص و آز ہو جاتے ہیں۔ خالق اور مخلوق کے درمیان جو رابطہ عبادت اور عبودیت ہے۔ وہ نسیاً منسیاً ہو جاتا ہے۔ کفر و الحاد کا دور دورہ ہوتا اور ذنوب کی پُرخار وادیوں میں مالک الملک کے بھولے بھٹکے بندے بنہایت سراسیمگی کے عالم میں محو حیرت ہو کر رہ جاتے ہیں۔ نیکی اور بدی میں کوئی تمیز نہیں رہتی اور انسان اپنے بلند نصب العین کو چھوڑ کر اپنی نفسانی خواہشات کی تسکین کے لئے ننگ ابلیس بن کر اسفل السافلین کا مصداق بن جاتا ہے۔ یہ تنزل اور انحطاط اس قدر سرعت سے رو بکار ہوتے ہیں کہ حضرت اشرف المخلوقات درندوں اور بہائم کا وطیرہ اختیار کرتا ہے چونکہ اس زندیقیت کے دور میں بعض ہستیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو کہ تشنۂ آب معرفت ہوتی ہیں۔ وہ ظلمت کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اپنے قلب سلیم کی پژمردگی اور افسردگی کو عرفان کی سیرابی سے قائم الرام کر کے دل کے تاریک گھروندے میں نور ایمان کی ضیاء پاشیاں دیکھنے کے متمنی ہوتے ہیں۔

رحمت باری جوش میں آتی ہے اور اس بزم مردہ حیات کو کسی اللہ والے کے قدوم میمنت لزوم سے نوازتی ہے۔ کفر دفعہ ہوتا ہے اور آفتاب ہدایت دنیا کے بازار کو منور کرتا ہے ہر ایک گھر میں اجالا ہوتا ہے۔ دنیا والے سیر ہو کر آب زلال سے فیض کام ہوتے ہیں۔ کبائر کے دور تسلسل سے نجات پا کر اس کامل کی صحبت و تبلیغ کی برکت سے حیات جاودانی حاصل کرتے ہیں۔

گیارھویں صدی ہجری میں یعنی صحیح تاریخ ولادت ۱۰۶۳ھ ہے۔ ٹھٹھہ کے مقام پر سید عبداللہ کے گھر اس درخشاں ستارے کا طلوع ہوا۔ جس نے اپنی تابندہ شعاعوں سے عالم کو بقعۂ نور بنا دیا۔ اور اپنی مقدس و قابل تقلید سیرت کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بٹھا دیا۔ یہ مولود مسعود ایک سادات کے گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔

والد ماجد کا وطن مالوف بغداد شریف تھا۔ ہندوستان کی سیاحت کے لئے اپنے وطن کو چھوڑا اور چند روز ٹھٹھہ میں قیام کیا وہاں ایک سادات صحیح النسب خاتون سے شادی کی جو کہ نجیبۃ الطرفین تھی۔ اور اسی مقام میں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے سید حسن صاحب کتم عدم سے معرض وجود میں آئے۔

راقم کا مقصود نہیں چونکہ آپ کے سوانح حیات کو قلمبند کرنا منشاء نہیں بلکہ صرف آپ کی تبلیغی جد و جہد کے متعلق کچھ لکھنا ہے اس لئے بچپن کے واقعات نظر انداز کر کے حضور کی تبلیغ اور بندگان خدا کو راہ راست پر لانے کے لئے حضور کی مساعی جمیلہ کا

ذکر کیا جاتا ہے۔ تاکہ طالب ہدایت اور گم گشتہ وادئ حیرت غور کرے۔ کہ اس مقدس اور اولوالعزم ہستی نے اعلاء کلمۃ الحق میں کن کن صعوبات و کربات کا مقابلہ کیا۔ اور اس عزم و استقلال کے بادشاہ نے کس طرح کفر کے گھمبیر قلعہ کو توڑ کر پرچم اسلام بلند کیا۔

تبلیغ کے پردہ میں آپ نے کشتی شکستگان بحر حیات کے لئے ریگستان دہر میں چند نقوش پا چھوڑے۔ تاکہ ان کی تتبع سے ساحل مراد حاصل ہو اور نجات دینی و اخروی حاصل ہو۔

جب آپ نے اپنے تبلیغی نظام کے ماتحت ہندوستان اور غزنستان کا سفر شروع کیا تو آپ کے ہمراہ آپ کے برادر خورد سید محمد فاضل بھی تھے۔ جن کو سلسلۂ قادریہ عالیہ کی تعلیم آپ نے خود دی۔ اور بقول خود (او را مثیل خود ساختم) کمالات باطنی اور ظاہری میں اپنا مثیل بنایا۔

اتفاق سے آپ ایک ایسے علاقہ میں پہنچے کہ جہاں کفر و بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ عدل و انصاف کا نام و نشان نہ تھا۔ بد اخلاقی اور بد اعمالی ان کے لئے طرۂ امتیاز تھا۔ اللہ جل جلالہٗ کا نام لینے والا کوئی نہ تھا۔ اور اس کے حبیب لبیب کی غلامی کا دم بھرنے والا مفقود تھا۔ اس علاقے کا راجہ بھی کافر تھا۔ آپ نے اس گاؤں کے باہر ایک بہت پرانا کنواں دیکھا جو مٹی سے بھرا ہوا تھا۔ آپ خود اس میں اتر گئے اور اپنے بھائی حضرت سید محمد فاضل کو تاکید کر دی کہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہنا۔ اور پانچوں اوقات کی نماز سے بھی مجھے اطلاع دیتے رہنا۔ چھ ماہ تک آپ نے اس کنوئیں میں عبادت کی اور یاد حق میں اس طرح مستغرق رہے کہ دن کو روزہ رکھتے بعد افطاری کے ایک ٹکڑے سے ساتھ انکار کرتے۔

اتفاق سے اس علاقے کے راجہ کو خبر ملی کہ دو مسلمان اس کے شہر کے قریب ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں اور اس کے ملک کی تسخیر کا ارادہ رکھتے ہیں۔ راجہ اپنے ارکین سلطنت اور راہبوں کے ساتھ اس کنوئیں پر پہنچا اور سید محمد فاضل سے یوں مخاطب ہوا۔

"اے درویش پیر خود را خبر کن کہ بیرون آمدہ با ما جنگ کند"

(ترجمہ) "اے درویش اپنے پیر کو خبر دے کہ باہر آ کر ہمارے ساتھ لڑائی کرے"۔

سید محمد فاضل نے بآواز بلند سید حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خبردار کیا۔ تو حضور کنوئیں سے باہر تشریف لے آئے۔

حضور فرماتے ہیں کہ جب راہبوں کے ایک گروہ نے مجھے دیکھا تو مباحثہ اور مجادلہ شروع کیا اور ان میں سے ایک گستاخ نے کہا کہ اے فقیر بغیر جنگ تمہارا چھٹکارا مشکل ہے اگر ذرہ بھر کمال کے مالک ہو تو میدان میں نکل کر داد شجاعت لو۔

حضور فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو یہ جواب دیا کہ اسلام میں مبارزت نہیں (جنگ و جدال سے متعلق) لہٰذا تم بھی اپنی طاقت کے کرشمے دکھاؤ۔

اب غور کا مقام ہے کہ ایک طرف تمام طاغوتی طاقتیں جمع ہیں۔ راجہ ہے۔ اس کی فوج ہے۔ حکومت ہے۔ اقتدار ہے۔ سامان حرب و آلات جنگ ہیں۔ ادھر ایک درویش پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ہے۔ ایک اس کا بھائی جو کہ نہتہ اور بے سامان ہے۔ لیکن ان دو بھائیوں کے ایک چیز ہے جس کے مقابلہ میں باطل مشل کا فور ہے اور وہ طاقت تمام طاقتوں پر غالب ہے یہ اللہ کی طاقت ہے قُل جاء الحق وزھق الباطل، ان الباطل کان زھوقا۔

حق اور باطل کی جنگ چھڑ گئی۔ اس راہب نے ایک لکڑی لے

کر ایک کمان بنائی، اور دوسری لکڑی سے تیر۔ کمان کا چلّہ چڑھا کر تیر حضرت سید حسنؒ صاحب کی طرف پھینکا۔

حضور فرماتے ہیں کہ اس لکڑی کے ساتھ آتش کا شعلہ بڑی تیزی سے میری طرف پرّاں ہے۔ میں نے اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لیا۔ وہ تیر میرے ہاتھ کی پشت پر لگا جس سے ہاتھ کی پشت کا تھوڑا سا حصہ جل گیا۔ اس راہب نے تعجب سے کہا کہ حیرانگی کا عالم ہے یہ شخص اب تک زندہ ہے۔ اگر میں اس آگ کو پہاڑ پہ پھینک دیتا تو اس کی بیخ و بُن سے دھواں نکلتا۔ اور وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا۔

آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے اس کو کہا کہ اگر اس سے زیادہ کوئی شیطانی طاقت تیرے پاس ہے تو استعمال کر۔ اس نے جواب دیا کہ اب تیری باری ہے۔

آپ نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ دیکھا کہ ایک سُپاری آدھی کھائی ہوئی باقی ہے جیب سے نکال کر قادر ذوالجلال کا نام الاپ کر اُس ساحر کی طرف پھینکی جو کہ اس کی پیشانی پر لگی اللہ اللہ۔ شانِ قہاری۔ سُپاری کیا تھی (۳۰۳) تین سو تین نمبر کی گولی تھی جو پیشانی کو چاک کر کے سر کی دوسری طرف سے نکلی۔ ساحر بیہوش ہو کر زمین پہ گرا اور مر گیا۔ یہ اولیاء اللہ کی طاقت ہے اور آئینہ جاذبیت اذ رمیت کا انعکاس ہے۔

ابوالبرکات حضرت خواجہ سید حسن کے دستِ مبارک پر طاقت لم یزلی کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ اسی لئے مولانا رومؒ صاحب نے فرمایا ؎

خاصانِ خدا، خدا نہ باشند
لیک از خدا، جُدا نہ باشند
ایں ارض و سما، بہ باد افتاد
در دہر چو اولیاء نہ باشند

جب اس کے ہمراہیوں نے یہ حیرت انگیز نظارہ دیکھا تو بہت سے بھاگ گئے۔ اور باقی حضور پُرنور کے پاؤں پر گر پڑے اور اسلام لے آئے۔ گاؤں کے لوگ جوق در جوق حاضر خدمت ہوئے مشرف بہ اسلام ہونے لگے۔ حضور نے تمام کے دل سے گناہوں کا زنگ دھو ڈالا۔ ولایت نے منصب نبوت کو زینت بخشی اور بمصداق آیہ دیزکیھم نبوت کے ماتحت ولی کامل نے سب کو تہجد خوان، ذاکر اور عارف بنا دیا۔ ؎

نہ سمجھ کہ بے حقیقت ہے یہ فقر کا فسانہ
تجھے کیا خبر کہ کیا ہے نگہِ قلندرانہ

اب تو قبائے مبدل مجانس ہوئے نو مسلموں نے وہاں ایک مسجد تعمیر کرائی۔ اسلام کی خوب تبلیغ ہوئی۔ نورِ خدا ہر طرف جلوہ گر ہونے لگا۔ حضور نے برکاتِ اسلام کا سکّہ لوگوں کے دلوں پر بٹھا دیا۔ ؎

کفر غارت ہوا بُت گرے ٹوٹ کر
تہ پہاڑوں میں شیطاں چھپانے لگا

حضور کو اس جگہ قیام کئے کافی عرصہ ہو گیا۔ دیدار کے پیاسے قرب و بُعد سے سفر کی صعوبتیں جھیلتے خدمت میں حاضر ہوتے، صحبت سے فیضیاب ہوتے اور مقاصد دینی و دنیوی پا کر واپس جاتے۔ مولانا رومؒ صاحب نے ایک مقام پر کیا ہی خوب فرمایا ہے ؎

گر تو خواہی ہم نشینی با خدا
رو نشین اندر حضورِ اولیاء
چشم روشن کن ز خاکِ اولیاء
تا ببینی ز ابتداء تا انتہاء

اپنے انتظام اوقات کے مطابق دوسرا تبلیغی دورہ شاہ جہان آباد

کی طرف ہوا۔ وہاں پہنچ کر اس بستی کے لوگوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا شغل شروع ہوا۔

قلیل عرصہ میں آپ کی کرامات نے مخلوق خدا کو متاثر کیا۔ رجوع خلائق اس حد تک زیادہ تھا کہ حضور کی عبادت کے اوقات میں خلل آنا شروع ہوا۔ حضور کے اپنے الفاظ درج ذیل ہیں:

"رجوع عالمے از زناں و مرداں بحدے شد کہ
اوقاتم خلل پذیر گشتہ"

شاہ جہان آباد جو اب دہلی کے نام سے موسوم ہے اس وقت اورنگ زیب دہلی پر متمکن تھا۔ اس جگہ تبلیغی کام سے فارغ ہو کر آپ نے باطنی طور پر قطب ربانی۔ محبوب سبحانی، غوث صمدانی حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز سے مشورہ کیا۔ اور درخواست کی کہ اس کے بعد کس طرف رخ کروں۔ تو حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین جیلانیؒ نے ارشاد فرمایا کہ اے بیٹا۔ پشاور کی طرف رُخ کرو۔ اور طریقہ عالیہ سلسلہ عالیہ قادریہ سے خلق خدا کو بہرہ اندوز کرو۔

اگرچہ حضور غوث الاعظمؒ کے ارشاد کے مطابق آپ پشاور کی طرف روانہ ہو گئے۔ لیکن راستہ میں مختلف مقامات پر تبلیغی انضباطِ اوقات کے مطابق قیام کیا۔ اور سرگرم کار رہے۔

پہلا قیام لاہور میں ہوا۔ وہاں اتفاق سے حضرت میاں میر صاحبؒ سے ملاقات ہوئی۔ وہاں بہت دنوں تک عامۃ الناس آپ کی زیارت سے مشرف ہوتے رہے اور آپ سے استفادہ کرتے رہے۔

دوسرا قیام گجرات میں ہوا۔ اس وقت حضرت شاہ دولہ ولی بقید حیات تھے۔ حضور کو انہوں نے اپنا مہمان کیا۔ اور اس حد تک اشتیاق و محبت کا دامن پھیلایا کہ جب حضور نے رخصت ہونے کے لئے اجازت مانگی تو شاہ دولہ نے از راہ تاسف فرمایا کہ اے "سید صحبت بس غنیمت است، کہ باز میسر نیست۔ شما را ولایت ایں جہان بخشیدند و ما را بہ آں جہاں طلبیدند"

ترجمہ۔ اے سید۔ ہماری صحبت کو غنیمت سمجھو۔ آپ کو کارکنانِ قضا و قدر نے اس جہان کی ولایت بخشی اور ہم کو اس جہان کی طرف بلایا۔"

پس آپ کیوں جلدی کرتے ہیں۔ آپ اس اصرار پر چند روز اور ٹھہرے اور پھر پوٹھوہار کی طرف رُخ کیا۔ وہاں شاہ لطیف مجذوب سے ملاقات کی۔ ان کے متعلق آپ کی رائے یہ ہے کہ "شخصے صاحب اثر بودند۔ با من بسلوکے تمام ملاقات کردند" یعنی بہت با اثر فقیر تھے۔ میرے ساتھ نہایت ہی تپاک اور محبت سے پیش آئے۔

دو دن وہاں ٹھہرے رہے اور پھر پشاور پہنچے لیکن اس تمام دورے میں حضور نے اپنے تبلیغی فرض کے ادا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

جہاں جہاں آپ ٹھہرے اپنے مواعظ حسنہ سے فقر کے پیاسوں کو شاداب و سیر کام کرتے رہے۔ آپ کے گرد اتنا ہجوم ہوتا تھا کہ بعض تو دیدار کو ترستے رہ جاتے تھے اور مشکل سے حضور تک رسائی ہوتی۔ تو بے ساختہ بول اٹھتے۔

اے حسن یار واہ یہ کیسا ظہور تھا
دیدار کو کلیم تھے جلنے کو طور تھا

پھر یہ اژدھام خلق اور یہ ہجوم ناس اور فریفتگان شمع جمال حسنی کی بھیڑ کیوں نہ ہوتی جبکہ شیخ سعدیؒ فرما گئے ہیں ؎

جائے کہ بود چشمۂ شیریں
مردم و مور و مرغ گرد آیند
مرغ جائے پرد کہ چینہ بود
نہ جائے پرد کہ چی نہ بود

الغرض ہر ایک قیام گاہ میں اس شمع ہدایت نے ہر ایک عاشق کے دل میں قمر کی قندیل کو روشن کیا۔ اور اس طرح ولایت سے سینکڑوں لیمپ روشن ہو کر اقتباس نور کرنے لگے آپ کی ولایت کا آفتاب چرخ چہارم پر ضیا پاش ہوا۔ چھوٹے چھوٹے ستاروں نے آپ سے روشنی حاصل کی۔ اور چاند نے آپ کے نور کے بوسے لئے۔ تاریک رات میں اندھیری گھاٹیوں میں چلنے والے مسافر نے ان نجوم کی شعاعوں کی برکت سے اپنا کھویا ہوا راستہ پایا اور منزلِ مقصود کو پہنچا۔ اس کے بعد آپ پشاور پہنچ گئے۔ پشاور کے مضافات میں ایک باغ بنام سلطان پور تھا۔ اس میں قیام فرمایا۔ اسی روز سلطان الاولیاء، سرتاج الاصفیاء، محبوب سبحانی، قطب ربانی، غوث صمدانی السید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات خواب میں نصیب ہوئی اور حضور اپنی زبان فیض فشاں سے یوں گویا ہوئے۔

"اے بیٹے! یہی تمہاری رہائش کی جگہ ہے یہاں پر اقامت اختیار کرو۔ اور استقامت کو نہ چھوڑو۔ ہر حال میں مجھے یاد کرتے رہو"۔ پھر غوث الاعظم قدس سرہ العزیز نے اپنے مبارک عصا سے تین نشان زمین پر لگائے اور فرمایا۔

"اس جگہ اقامت کرو، اس جگہ مسجد بناؤ۔ اور اس جگہ اپنی قبر کے لئے زمین مقرر کرو" اللہ تعالیٰ ہر کام دینی و دنیوی میں مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا۔ کیونکہ وہی مبداء اور وہی معاد ہے۔ البتہ جو کچھ میں نے تجھے بتایا اس کا سامان خود بخود مہیا ہو جائے گا۔

جب صبح نمودار ہوئی۔ آپ نے اذان دیکر نماز فجر ادا کی ابھی حضور نے اشراق کی نماز ادا نہ کی تھی کہ لوگ اطراف و جوانب سے آپ کی ملاقات کے لئے آئے۔ اور اس قدر تپاک اور اخلاص سے ملاقی ہوئے گویا کہ برسوں کے آشنا تھے۔ ان میں سے اکثر بیعت کی دولت سے شادکام ہوئے۔ صاحب باغ نے بھی بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ افاغنہ کے چیدہ چیدہ سردار بیعت کے لئے حاضر ہوئے تعمیر کا کام فوراً شروع ہو گیا۔ اور حضور غوث پاک کے گفتہ و ارشاد کے مطابق زمین نے قبولیت تعمیر میں ایک انچ بھر جگہ کی تعداد سے بھی تجاوز نہ کیا۔ اور تینوں تعمیرات یعنی مکان، مسجد اور آخری بسیرے کی جگہ اپنے اپنے نشانات انتخاب پر مکمل ہوئیں اس صداقت کی تصدیق رومی علیہ الرحمۃ نے مندرجہ ذیل اشعار میں خوب احسن طریق سے کی ہے ~

لوح محفوظ است پیش اولیاء

غوث زمانہ شاہ حسنؒ رفت از جہاں
ماہ روز مہر نور فشاں و کشادہ رو
مخمور ساخت ساقی مہوش ز جام وصل
مست خدائے گوئے تو تاریخ وصل او
۱۵ ھ ۱۱

از چہ محفوظ است محفوظ از خطا

نے نجوم است نہ رمل است و نہ خواب

وحی حق واللہ اعلم بالصواب

ایک عرصہ گذر گیا لیکن یہ نشانات کالنقش فی الحجر ہیں۔ اب بھی عشاق و مخلصین کی ایک جماعت بصد ادب و نیاز ان نشانات کی زیارت سے مشرف ہو رہی ہے اور حسب جذبات محبت فیض سے فیضیاب ہو رہی ہے

جیسا کہ ہم نے پیچھے ذکر کیا ہے کہ اس مضمون میں حضور کی تبلیغی جدوجہد کا ذکر ہو گا۔ اس لئے واضح ہو کہ تبلیغ تین قسم کی ہوتی ہے۔

پہلا درجہ تبلیغ کا یہ ہے کہ کافر کو مسلمان کیا جائے یہ تبلیغ ظاہری ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ قلب ماؤف کی اصلاح کی جائے یہ باطنی تبلیغ ہے اور یہ خاصا اولیاء اللہ کا ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ طالب ہدایت کو ناسوت کے تنگ و تاریک کوچوں سے نکال کر لاہوت کے وسیع بازاروں کی سیر کرائی جائے۔ یہ تینوں مراتب حدیث نبوی سے ثابت ہیں آمدم برسر مطلب!

حضرت غوث وقت، منبع علوم، زبدۃ الاصفیاء، خلاصۃ الاولیاء ابو البرکات سید حسن قادری رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ کے تینوں مراتب تکمیل کو پہنچائے۔ سینکڑوں کفار کو مشرف بہ اسلام کیا جیسا کہ ٹھٹھہ کے واقعہ سے ظاہر ہے جس کو صاحب تاریخ کشمیر نے اپنی تصنیف تاریخ کشمیر میں ذکر کیا ہے۔

پھر اپنے مریدین و معتقدین کے قلوب کو دنیوی زنگ سے صاف کیا۔ اور کئی ایک کو اپنے جیسا بنایا۔ یہ باطنی تبلیغ تھی جو دوسرے درجہ میں مذکور ہوئی۔ آپ کی تعلیم جو سلوک کے متعلق تھی۔ اس کا ذکر بھی آجائے گا۔ اور وہ بھی اسی ضمن میں ہے۔

تیسری تبلیغ جو اعلیٰ و اکمل ہے اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت غلام صاحب فرماتے ہیں کہ جمعہ کے روز صبح کی نماز کے بعد سے نماز جمعہ تک حضور کے ارد گرد حلقہ در حلقہ مشائخ اور مرید ذکر خیر میں مشغول رہتے اور نعت خوان خوش آوازی سے نعت سید المرسلین بکمال خشوع و خضوع پڑھتے۔

جب یہ حضرات خاموش ہو جاتے تو حضور جو کہ اس تمام وقت کے دوران میں سر بجیب مراقبہ نگوں ہوتے۔ اور اپنا سر مبارک اٹھاتے اور حاضرین پر ایک ایسی نظر کرم ڈالتے کہ فی الفور ان کو ناسوت سے لاہوت پہنچا دیتے۔

"و بہر صالح و طالح کہ آں نگاہ مے افتاد۔ در حال عارف باللہ مے شد، بلکہ وحوش و طیور کہ در عرصہ نظرگاہ آں حضرت در پریدن مے بودند۔ چوں صید نیم بسمل بر زمین افتادند و مے طپیدند"۔

فارسی تواریخی حوالہ مذکور کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ جس نیک و بد پر حضور کی نظر پڑتی۔ فی الفور عارف بن جاتا۔ پھر جو اڑنے والے پرندے اقلیم فضا میں نظر کے دائرے کے اندر آجاتے۔ نیم بسمل ہو کر زمین پر گرتے اور خاک و خون میں غلطاں ہو کر آداب فنا حضور سے سیکھتے،

یک نظر کردی و آداب فنا آموختی

خوشا وقتے کہ خاشاک مرا واسوختی

حضرات! تبلیغ اور تبلیغی جدوجہد اس کو کہتے ہیں۔ علماء ظاہر مسلمان کرتے ہیں۔ علماء ربانی قلب کی اصلاح کر کے مسلمان کو مومن بناتے ہیں۔ اولیاء اللہ بندے کا ہاتھ پکڑ کر

مولاسے ملا دیتے ہیں۔ اس ضمن میں حافظ عنایت اللہ مرحوم کا ماجرا قابلِ رقم ہے۔

حضور کی کرامات اور عارفانہ نظر کے مقناطیسی کمالات سُنکر ایک شخص مسمی حافظ عنایت اللہ جو کہ علوم ظاہری سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ اور جامع کمالات صوری و معنوی تھا۔ ایک دن آپ کا امتحان لینے کے لئے خدمت میں حاضر ہوا۔ اور بطریق مباحثہ یوں گویا ہوا۔

"میں نے سُنا ہے کہ آپ جاہلوں پر ایک قسم کی التفات و نظر کرتے ہیں' اور وہ متغیر الحال ہو جاتے ہیں۔ آپ ازراہِ کرم یہ تجربہ مجھ پر بھی کریں۔ اور ایک ایسی ہی نظر ڈالیں تاکہ آپ کے کمالات کا مشاہدہ میں بھی تو کر دوں۔ آپ نے جواب دیا کہ جاؤ وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔ اس نے گستاخی سے جواب دیا کہ میں نے سُنا ہے کہ آپ ابوالوقت ہیں تو یہ وقت کی قید کس طرح اور کیوں لگاتے ہیں۔ آپ اس قول پر غیرت میں آگئے۔ پھر آپ نے ایسی نظر اس پر ڈالی کہ زمین سے آسمان کی طرف اُڑا اور ہوا میں ناچنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد زمین پر گرا۔ کپڑوں کو پھاڑنے لگا۔ اور شور و فغاں کرنے لگا۔ لوگوں نے اس کے ہاتھ اور پاؤں باندھ کر اسکو مسجد کے حجرے میں بند کر دیا۔ تین روز تک یہی بیہوش و مدہوش رہا۔ جب کبھی نماز کا وقت آتا تو حیّ علی الصلوٰۃ کی آواز کی جاتی۔ لیکن اس کو بالکل متحرک نہ پاتے۔

تیسرے روز حضور خود تشریف لائے اور اس کے سر کے قریب کھڑے ہو کر آپ نے توجہ فرمائی۔ فوراً اس نے آنکھیں کھولیں اور بیدار ہوا۔ جب حضور پُرنور کو دیکھا ان کے جوتوں کے ساتھ اپنی آنکھیں ملنے لگا۔ زار و قطار روتا اور یہ آیت مبارک پڑھتا۔ "سُبحٰنکَ تُبتُ الیکَ وانا اوّلُ المؤمنین" اے ذات باری تو پاک ہے۔ میں نے توبہ کی۔ اور پہلا مومن ہوا۔ اس نے اس کے بعد حضور کی بیعت کی۔ اور اپنی تمام کتابوں کو جو مباحثہ اور مناظرہ کے لئے لایا تھا۔ حوض میں ڈال دیا۔

ماسواء اللہ کے کنارہ کیا۔ مرشد کامل کی کیمیائی نظر نے ایسا کام کیا کہ اب اس ظاہری عالم کو باطنی علم نصیب ہوا۔ فنا فی الشیخ کا مرتبہ حاصل کر کے فنا فی الرسول میں داخل ہوا۔

پیر کامل نے ایسا استغنا اس کو بخشا کہ دنیائے دُوں رخصت ہوئی۔ استغنا اس کو بخشا کہ دنیائے دُوں رخصت ہوئی۔ استغنائے کلی نصیب ہوا۔ اس کی نظر میں بھی شاہ و گدا، امیر و فقیر برابر ہوئے۔ شیخ کامل نے غوث الاعظم اور دستگیر سرور کائنات کے حضور میں پہنچایا۔ ان کی صحبت باطنی سے حافظ عنایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے گوہرِ مقصود پایا۔ اور درجہ لقاء باللہ حاصل کیا۔

اس خوش نصیب کو حضور کا ایسا قرب حاصل ہوا کہ جب کبھی کوئی سائل کوئی سوال لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ حافظ عنایت اللہ صاحب مرحوم سے استصواب رائے فرماتے۔ وہ فوراً آپ کے حجرہ میں تشریف لے جاتے۔ اور جواب بالصواب لاتے۔ خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو مندرجہ ذیل نظم دی ہے۔ ؎

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند
آنانکہ چشم مست بصد حیلہ وا کنند
سگ را ولی کنند دگلش رہنما کنند

آپ کا تبلیغی مرکز اب پشاور رہا اور اس جگہ آپ نے تبلیغ

دینِ حق اور اشاعتِ اسلام شروع کی۔ ہزارہا نفوس آپ کے انفاسِ طیبہ کی برکت سے عارف باللہ اور اولیاء اللہ ہوئے یہ وہ تبلیغ تھی جو تبلیغ کا حق ادا کرتی تھی۔ "ان اجریٰ اِلّا علی اللہ" کے مفہوم پر عمل کرتے ہوئے کبھی بھی اپنی تبلیغ کا اجر کسی سے طلب نہیں کیا۔ بلکہ لنگر جاری کیا۔ جود و عطا کے خزانے بخشے۔ لاکھوں بھوکوں کو کھانا کھلایا۔ غربا میں کپڑے تقسیم کئے اور خدمت میں حاضر ہونے والوں کی دینی و دنیاوی ہر دو اصلاحیں کیں۔

اسی قیامِ پشاور کے دوران میں مشیتِ باری کے مطابق آپ نے اپنے برادرِ خورد سید محمد فاضل کے ساتھ تبلیغی رُخ کشمیر کی طرف کیا۔ تاکہ اس طرف کے پیاسوں اور تشنہ کاموں کو بھی فیضانِ صحبت سے سیراب کیا جائے۔ اس مقام پر بھی اس بحرِ بیکراں سے سینکڑوں ندیاں بہ نکلیں اور لاکھوں فیض کے چشمے جاری ہوئے۔ سیلابِ معرفت نے بنجر قطعات اراضی کو زرخیز بنا دیا۔ بوستانِ طریقت میں لاکھوں اشجار کو پیوندِ معرفت لگا۔

اس جگہ ایک کرامت منصۂ ظہور میں آئی۔ اور وہ "عین مراجعت کے وقت"۔ اس کرامت کو دیگر کرامات کے ساتھ علیحدہ عنوان کے ماتحت درج کیا جائے گا۔ اس جگہ یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ حضور کی کرامات اور خوانِ جود و سخا کو دیکھ کر اہالیانِ کشمیر عرض پرداز ہوئے کہ آپ پشاور واپس تشریف نہ لے جائیں۔ بلکہ اسی جگہ جلوہ افروز رہیں۔ تاکہ آپ کے وجودِ ذی جود سے مستفید ہو کر ہم دین و دنیا کی نعمتیں پائیں۔

آپ نے باطنی مکاشفہ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ سے کیا اور عرض کی کہ حضور اب آپ کی کیا رائے ہے؟ ارشادِ غوثِ صمدانی ہوا کہ آپ خود واپس پشاور تشریف لے جائیں اور اپنے بھائی سید محمد فاضل کو کشمیر میں تبلیغ کے لئے چھوڑ دیں۔ اس کو خلافت دے کر مسندِ قادری پر متمکن کریں کیونکہ اس ملک کی ولایت ان کے سپرد ہے۔

آپ نے اس فرمانِ واجب الاذعان کے مطابق ایسا ہی کیا۔ اور اہالیانِ کشمیر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "چونکہ آپ لوگ مجھے اس جگہ رہنے پر مجبور کرتے ہیں میں نے اپنے پیر و مرشد حضرت غوثِ صمدانی کی بارگاہِ عالیہ میں استصواب رائے کیا تو مجھے حکم ہوا کہ اپنے برادرِ خورد سید محمد فاضل کو اس جگہ اپنا جانشین و نائب کر کے پشاور واپس تشریف لے جاؤ اب میں آپ لوگوں کو وصیت کرتا ہوں کہ ان کی خدمت میں حاضر رہنا اور ان کو میرا نائب و جانشین سمجھنا بلکہ بالکل میرا مثیل سمجھنا۔ انشاء اللہ آپ کی تمام مہمات کے لئے وہ کافی ثابت ہوگا"۔

اس کے بعد سید محمد فاضل رحمۃ اللہ علیہ کے نام منشورِ خلافت لکھا اور خلافت کی دستار بندی اپنے مبارک ہاتھوں سے کر دی عالمِ کشفِ باطنی میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر جناب پیرِ پیراں محی الدین غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں ڈال دیا۔ اور ان کو تسلی دی کہ خاطر جمع رکھو۔ ہر حال میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پھر لوگوں کو رخصت کیا اور پشاور واپس تشریف لے آئے۔

جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور تھا۔ یہاں تبلیغِ دینِ ہدیٰ میں مشغول رہے اور مکاشفہ و مراقبہ و پند و نصائح و مواعظات سے اصلاحِ قلوبِ مخلوق کرتے رہے۔

مؤرخِ کشمیر جناب مفتی محمد شاہ صاحب سعادت تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے ۱۰۹۱ھ میں سرزمینِ کشمیر کو اپنے ورودِ مسعود

سے عزت بخشی، اور تبلیغی کام شروع کیا۔ حضورؒ کا قیام اس سرزمین میں معتبر روایات سے چھ ماہ تک رہا۔ جن مبارک ہستیوں نے آپ سے اقتباس نور کیا۔ ان میں سے خواجہ عبدالرحیم قادری، میر افضل اندرابی اور شاہ عنایت صاحبؒ خاص کر قابلِ ذکر ہیں۔ اس جگہ آپ کے لنگر سے تقریباً سو نفر ہر روز سیر ہوتے اور مفلوک الحال اصحاب کو کپڑا بھی میسّر ہوتا۔

جناب سید غلام صاحب کے قول کے مطابق جب آپ کشمیر میں تشریف لائے۔ آپ نے سری نگر کے محلہ عیدگاہ در خانہ منصب داری نزول فرمایا۔ آپ کے اہل و عیال خادمان اور معتقدین کی ایک جماعت ایک سو نفوس پر مشتمل آپ کے ساتھ تھی۔ باوجود قلیل البضاعتی اور درویشی آپ کے لنگر کا شہرہ چہار جہت میں اس طرح پھیلا کہ شب و روز فقراء و مساکین اور غربا کا لنگر میں تانتا بندھا رہتا۔ حالانکہ ایک غریب الوطن مردِ مجاہد کی حیثیت سے آپ تشریف لائے تھے

صاحب تاریخ عظمےٰ تحریر فرماتے ہیں کہ ان امور کے باوجود آپ نے کسی کے آگے دستِ سوال دراز نہ کیا اور نہ ہی کسی رئیس یا امیر سے کچھ طلب کیا۔ یہی اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کی تبلیغ اور مساعی فی الدین للّٰہ فی اللہ تھے اور کسی خاص جذبہ کے تحت تھے۔ آیہ مبارک ومن یتق اللہ یجعلہ مخرجاً و یرزقہ من حیث لا یحتسب اسی امر کی دلیل ہے۔

ترجمہ:۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرے، اللہ تعالیٰ اس کے کام کے لئے کشائش پیدا کرتا ہے اور اس جگہ سے روزی پہنچاتا ہے کہ اس کا خیال و گمان بھی نہیں ہوتا (الیٰ آخر آیۃ)

حضرت بابا عثمان قادری سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی آپ اور ان کے درمیان رابطۂ معنوی قائم ہوا۔ اور حضور اپنی تبلیغ کے دوران میں استفادہ اور اجرائے فیض ہر دو پر پابند کار رہے۔

سفرِ کابل:۔ اتفاق سے امیر خان گورنر کابل آپ کی کرامات دیکھ کر آپ کا معتقد ہوا۔ آپ کی غلامی کا دم بھرنے لگا۔ حضرت سید محمد عابد صاحبؒ بن حضرت شاہ محمد غوث صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ موسم گرما میں نواب مذکور نے حضور کی خدمت میں مؤدبانہ عرض کی کہ آپ ان گرمیوں میں کابل تشریف لے چلیں۔ آپ نے اس کی درخواست کو قبول کر لیا۔ اور چند دن وہاں تبلیغی مرکز قائم کیا۔ پھر ایک دن نواب کو بلایا اور فرمایا کہ اس علاقہ میں ایک زبردست بلا اور خطرناک و مہلک وبا نازل ہونے والی ہے۔ اس کے پنجہ سے کسی ذی روح کو نجات نصیب نہ ہو سکیگی۔ نواب نے سہل انگاری سے کام لیا۔

دوسرے روز آپ نے دوبارہ نواب کو تاکیداً اپنے ارشادات سے آگاہ کیا۔ نواب نے دست بستہ عرض کی کہ جو کچھ حضور فرماتے ہیں وہ میرے نزدیک نوشتۂ لوحِ محفوظ ہے اور میں خوب جانتا ہوں کہ وہ واقع ہو کر رہے گا۔ لیکن میں مجبور ہوں۔ کیونکہ میرا معاملہ نوکری کا ہے۔ آپ نے رختِ سفر باندھا اور فوراً پشاور پہنچ گئے۔

دوسرے دن کابل سے یہ خبر ملی کہ ایک وبائے عظیم نے اپنے مہلک اثرات سے کابل کے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے اور تعداد اموات اوسطاً ایک ہزار روزانہ تھی۔ جو اصحاب میت کی تدفین کے لئے ساتھ جاتے وہ بھی وہاں دائمی نیند سو جاتے

الغرض آخری خبر یہ تھی کہ نواب امیر خان بھی چل بسے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ہ

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(از مثنوی مولانا روم علیہ الرحمۃ)

قارئین کرام دیکھیں! تبلیغ دین ہدیٰ اور تزکیۂ نفوس کے لئے آپ نے گیارہویں ہجری میں (جبکہ نہ ریلیں۔ نہ گاڑیاں نہ ہوائی جہاز، نہ پختہ سڑکیں، نہ موٹریں، نہ بند، نہ پل، نہ آب دوز کشتیاں تھے نہ سفر کی عام سہولتیں میسر تھیں) شب و روز مصائب اٹھائے اور پھر اس قلیل عرصۂ حیات میں ٹھٹھہ۔ سندھ لاہور۔ گجرات۔ پکھلی۔ دھمتوڑ۔ پوٹھوار۔ کشمیر، پونچھ، کابل اور پشاور وغیرہا میں اسلام کے نصب العین اور توحید کے پرچم کو بلند کیا اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کی اولاد کے درجات دینی بلند کرے اور آپ کی روح پر فتوح پر کروڑوں اور لاکھوں رحمتوں کی بارش کرے۔ ان تبلیغی واقعات کو مختصر طور پر قلمبند کرنے کا اصلی مقصد یہ تھا کہ اس نادر الوجود اور مقدس شخصیت کی سیرت سے استفادہ کرکے اس کی چند خوبیاں حتی الامکان حتی الاستطاعت اپنے اندر پیدا کریں اور صالحین و ابرار کے زمرے میں شامل ہو جائیں ہ

رہ ان لوگوں کی چل اے ہوشیار ÷ جو ہیں مقبول خدا ذی اقتدار
ہو غلام ان کا جو ہیں اہل صفا ÷ ذکر حق سے جو نہ ہوں غافل ذرا
ہے یہی حکم خدا حکم رسل ÷ حکم علماء اور حکیم اولیاء

آپ کے تبلیغی دائرہ کی مبارک قوس کی ابتداء ٹھٹھہ سے شروع ہوئی اور پشاور پر ختم ہوئی۔ اللھم متع المسلمین بانوار فیضہ۔ ونور قلوب العاشقین لعشقہ وسراج معرفتہ ؛ ترجمہ: اے خالق لایزال آپکے فیوض کی شعاعوں سے مسلمانوں کو مستفیض کیجیو۔ اور آپکے معرفت کے چراغ کی روشنی سے عاشقین کے دلوں کو روشن کیجیو۔ والسلام علیہ وعلی رفقائہ واولادہ ما دامت برکات السلام علینا ہ

ہوٹل سلاطین اینڈ ریسٹورنٹ
ایئر کنڈیشنڈ
سینما روڈ۔ پشاور شہر
مٹن لیگ روسٹ ★ چانپ روسٹ ★ چکن تندوری ★ مرغ مسلم
چکن تکہ اور چکن کباب
دیگر پاکستانی اور انگریزی کھانوں سے لطف اٹھایئے

منقبت اعلیحضرت مجددِ ملّت

پروفیسر
فیاض احمد صاحب کاوش
(ایم۔ اے) (سندھ)

قبلۂ دین و کعبۂ ایماں، اعلیٰ حضرت مجددِ ملّت
راحتِ قلب، رحمتِ یزداں اعلیٰ حضرت مجددِ ملّت

دشمنِ دشمنانِ دین متیں، آپ ہیں یار، یارِ غارِ نبی
صدقِ صدیق ہے زباں پہ رواں اعلیحضرت مجددِ ملّت

نحرِ شمشیر ہے قلم ایسا، سرِ قلم جس سے "نجدیت" کا ہوا
عدلِ فاروقیت ہے تجھ سے عیاں اعلیحضرت مجددِ ملت

حرمتِ دیں پہ حرف جب آیا، کام آئی تیری حمیّت ہی
پرتو شرم و غیرتِ عثمانؓ اعلیحضرت مجددِ ملّت

پنجۂ ابلیس کا مروڑا ہے، تونے ناموسِ مصطفےٰ کی قسم
جرأتِ "حضرتِ علیؓ" کا نشاں اعلیحضرت مجددِ ملّت

غوث الاعظمؓ کے عاشقِ صادق، دینِ اسلام کا ستون ہو تم
الفتِ اہلِ بیت پر قرباں، اعلیحضرت مجددِ ملّت

"قادریت" کی آبرو ہو تم، تم ہو ناموسِ اولیائے کرام
سُنّیت کا ہو نیّرِ تاباں اعلیحضرت مجددِ ملّت

جب بڑھا ارضِ ہند کی جانب فتنۂ نجدیت کا سیلِ رواں
تھا قلم تیرا سدِّ ہر طوفاں، اعلیحضرت مجددِ ملّت

تیری تاریخ ساز ہستی نے "دیو بندی بتوں" کو توڑ دیا
عہدِ حاضر پہ ہے ترا احساں، اعلیحضرت مجددِ ملّت

"بوحنیفہ" کے علم کا جوہر، غوث الاعظم کے فقر کا گوہر
نافعِ دین و دافعِ عصیاں، اعلیحضرت مجددِ ملت

"حنفیت" کے حسین گلشن کو، اپنے تازہ لہو سے سینچا ہے
"اہلسنت" ہیں آپ پر نازاں، اعلیٰ حضرت مجددِ ملت

اجتہادی صلاحیت تیری، دورِ حاضر پہ ہو گئی حاوی!
عہدِ نو کے سکون کا ساماں، اعلیحضرت مجددِ ملت

جن مسائل میں اختلاف ہوا، کیسی خوبی سے کو سلجھایا
دردِ ملت کا آپ ہیں درماں، اعلیحضرت مجددِ ملت

کفر والحاد کے اندھیروں میں، ہو ضیائے چراغِ مصطفوی
دینِ حق کے ہو نیرِ تاباں، اعلیٰ حضرت مجددِ ملت

کی درود و سلام کی تجدید، جب تغافل پرست بھول گئے
عشقِ احمد کا یہ حسین عنواں، اعلیٰ حضرت مجددِ ملت

مصطفےٰ کا ادب سکھاتے ہیں، راہِ عشقِ نبی دکھاتے ہیں
الفتِ اہلِ بیت پہ نازاں، اعلیٰ حضرت مجددِ ملت

جذبۂ عشقِ مصطفےٰ کے طفیل، پلصراطِ ادب سے گذرتے ہیں
ترجمانِ حقائقِ قرآں، اعلیحضرت مجددِ ملت

خوب کھولے دقائقِ قرآں، "ترجمہ" ہے سلیس اور رواں
راہبرِ راہِ منزلِ عرفاں، اعلیٰ حضرت مجددِ ملت

آپ "علمِ حدیث" کے ماہر، آپ کی ذات فخرِ "علمِ رجال"
حافظِ بے مثال و بے پایاں، اعلیحضرت مجددِ ملت

اے کہ تو فخرِ "بوحنیفہ" ہے، ناز ہے تجھ پہ خود "فقاہت" کو
کون تجھ سا ہے "مفتیِ دوراں" اعلیٰ حضرت مجددِ ملت

"بارہ جلدوں" میں موجزن پایا وہ فقاہت کا بحرِ بے پایاں ۱۲

ہے "فتاویٰ رضویہ" عنواں، اعلیحضرت مجددِ ملت

ڈاکٹر سر ضیائے دین جیسے ماہر فن نے استفادہ کیا

اے ریاضی کے بحر بے پایاں، اعلیحضرت مجددِ ملت

آپ "فن عروض" کے ماہر، سب سے مقبول "نعت گو شاعر"

حسن کامل ہے آپ کا دیواں، اعلیحضرت مجددِ ملت

آپ کے ذہن کے شکنجے میں، قید تھے نصف صد علوم و فنون

علم و حکمت ہے آپ پہ نازاں اعلیحضرت مجددِ ملت

اک ہزار آپ نے کتب لکھیں، جن میں رولے ہیں علم کے گوہر

عقل ہے اہل علم کی حیراں، اعلیٰ حضرت مجددِ ملت

آپ گنجینہ ہیں حقائق کا اور خزینہ بھی ہیں دقائق کا

حکمتِ لازوال و بے پایاں اعلیٰ حضرت مجددِ ملت

زہد و تقویٰ و عشق و الفت کی، آپ کی ذات اک مرقع تھی

جس کا کوئی نہیں مقابل یہاں، اعلیٰ حضرت مجددِ ملت

درس و تدریس کے فرائض کو آپ نے کمسنی میں اپنایا

ابتدا سے تھا فیض علم رواں اعلیٰ حضرت مجددِ ملت

تھے جب علمائے سو گدائے فرنگ اور کچھ تھے اسیر زلف ہنود

تو نے دو قوم کا کیا اعلاں اعلیٰ حضرت مجددِ ملت

تیرے افکار ہی سے اے ہادی! ہم نے جیتی ہے جنگ آزادی

تیرا احسان ہے یہ "پاکستان" اعلیحضرت مجددِ ملت

بے یقینی کو دور کر دیجے، مئے عشق نبی کو پھر دیجے

ساغرِ دل ہیں ساغر دوراں، اعلیٰ حضرت مجددِ ملت

حرمتِ دامنِ نبی کی قسم اہل سنت کا عہد ہے "کاوش"

اب نہ چھوڑیں گے آپ کا داماں اعلیحضرت مجددِ ملت

ہر قسم سامان آہنی و فولادی تعمیرات کیلئے

گل محمد اینڈ برادرس

تار کا پتہ
"تاج کو" پشاور

پل خشتہ پشاور شہر
سے طلب فرمایئے

فون نمبر
۲۱۱۴
۲۵۳۹

جو حکومت پاکستان کے صوبہ سرحد میں نامزد کردہ

لوہا اور فولاد

کے واحد مرکزی سٹاکسٹ ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صبا بحسنِ ادب گو تو غوثِ اعظم را
خدا سپرد بہ تو کارِ ہر دو عالم را

تو آں شہی کہ کنی رد قضائے مبرم را
بری زِ خاطرِ ناشاد محنت و غم را

شاہ محمد غوث صاحب
رحمۃ اللہ علیہ

ہر قسم سامان آہنی و فولادی تعمیرات کیلئے

گل محمد اینڈ برادرس

فون نمبر
۲۱۱۴
۲۵۳۹

پل پختہ پشاور شہر
سے طلب فرمائیے:

تار کا پتہ
تاج کو پشاور

جو حکومت پاکستان کے صوبہ سرحد میں نامزد کردہ

لوہا = اور = فولاد

کے واحد مرکزی سٹاکسٹ ہیں!